ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، پاکستان

ادارہ

مدیر اعلیٰ: صاحبزادہ وجاہت رسول قادری

مدیر: پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

نائب مدیر: اقبال احمد اختر القادری

مشاورت

- علامہ تراب الحق قادری
- الحاج شفیع محمّد قادری
- علامہ ڈاکٹر حافظ عبدالباری
- منظور حسین جیلانی
- حاجی عبداللطیف قادری
- ریاست رسول قادری
- حاجی حنیف رضوی

مشمولات

کمپوزنگ: ذیشان احمد قادری

اشتہارات: سید محمد خالد قادری

سرکولیشن: فرحان الدین قادری

- قیمت فی شمارہ ــــ ۱۰ روپیہ
- سالانہ ــــ ۱۲۰ روپیہ
- بیرون ممالک ــــ ۱۰ ڈالر سالانہ

رابطہ :- ۲۵، جاپان مینشن، رضا چوک (ریگل) صدر، کراچی - 74400، پوسٹ بکس نمبر 489

فون :- 7771219-7725150-021، اسلامی جمہوریہ پاکستان (E.mail:marifraza@hotmail.Com)

(پبلشر، مجید اللہ قادری نے باہتمام حریت پرنٹنگ پریس، آئی - آئی - چندریگر روڈ کراچی سے چھپوا کر دفتر ادارہ تحقیقات امام احمد رضا کراچی سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم
نحمدہٗ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم

اپنی بات

سید وجاہت رسول قادری

الحمد للہ مملکت خداداد پاکستان کو وجود میں آئے آج ۵۳ برس ہو گئے۔ تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ ہمارا ملک عزیز پاکستان جان و مال اور عزت و آبرو کی عظیم قربانیوں کے بعد ایک نظریاتی مملکت کے طور پر وجود میں آیا۔ تاریخ عالم میں جس کی نظیر نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے۔

تصور پاکستان، نظریہ پاکستان، اور تحریک پاکستان دراصل فیضان ہے حضرت شیخ احمد فاروقی مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ والرضوان کی اس روحانی، مذہبی اور سیاسی تعلیم و تربیت اور عملی جدوجہد کا جو انہوں نے دور اکبری اور دور جہانگیری میں ظالم و جابر حکمرانوں کے الحادی نظریات کے خلاف کی۔ محقق علی الاطلاق امام الحدیث فی الہند، حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی قدس اللہ سرہ العزیز نے بھی اپنے درس و تدریس، تصنیف و تالیف، قلمی جہاد کے ذریعہ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کی اس جدوجہد کو مزید تقویت اور جلا بخشی۔ بعد کے دور میں شاہجہاں کی علم دوستی و علماء نوازی، عالمگیر کی علماء و اولیاء سے نیاز مندی اور نفاذ شریعت کی سعی، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کا فلسفۂ و حکمت عملی عالم اسلام کے بطل جلیل شہید جنگ آزادی (۱۸۵۷ء) علامہ فضل حق خیر آبادی قدس سرہ سامی کی تحریک جہاد برائے آزادی، چودھویں صدی ہجری کے مجدد امام احمد رضا، کا جذبۂ عشق رسول ﷺ پر مبنی دو قومی نظریہ کا ابلاغ اور بلاد ھند میں اس کی منادی، علامہ مولانا عبد القدیر بدایونی رحمہ اللہ کی تجاویز تقسیم ہند کی پذیرائی۔ علامہ اقبال کی اس سلسلے میں نظریاتی رہنمائی اور قائد اعظم محمد علی جناح کی عملی جدوجہد اور راہبری، علماء و مشائخ اور سواد اعظم اہل سنت و جماعت کی جوق در جوق مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر یکجائی، تحریک پاکستان کی تکمیل اور ۱۴ر اگست ۱۹۴۷ء کو مسلم مملکت پاکستان کا قیام اور حصول آزادی، --- یہ سب کچھ امام ربانی مجدد الف ثانی کی تعلیمات اور جدوجہد کا ثمرہ ہے، یہ سب ایک ہی لڑی کی کڑیاں ہیں۔

بلاشبہ مملکت خداداد اسلامی جمہوریہ پاکستان اللہ تبارک و تعالیٰ کا ایک عظیم الشان عطیہ اور سید عالم نور مجسم مالک ہر دو عالم ﷺ کا عظیم معجزہ ہے اس لئے کہ اس کی بنیاد دو قومی نظرئے پر ہے جو قرآن و حدیث سے ثابت ہے، کافر خواہ وہ ھندو ہوں یا یہود و نصاریٰ، ایک الگ قوم ہیں اور مسلمانوں خواہ وہ کوئی سی زبان بولتے ہوں، گورے ہوں یا کالے، دنیا کے کسی خطے کے رہنے والے ہوں من حیثیت القوم ایک الگ انفرادیت رکھتے ہیں اور سب آپس میں بھائی بھائی ہیں۔

۲۶ر تا ۲۸ر اپریل ۱۹۴۶ء بنارس میں منعقد ہونے والی سنی کانفرنس تحریک پاکستان کیلئے سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے جس میں غیر

منقسم ھند کے تمام علاقوں سے پانچ ہزار سے زیادہ علماء و مشائخ اور ۲ر لاکھ کے قریب عوام اہل سنت نے شرکت کی۔ اس کانفرنس کی سب سے خاص واہم بات یہ تھی کہ، محمد علی جناح اور مسلم لیگ کی مکمل حمایت کا اعلان کیا گیا۔ شرکاء جلسہ نے متفقہ طور سے ایک قرارداد اور بھی منظور کی کہ، اب اگر محمد علی جناح بھی، مطالبۂ پاکستان سے دستبردار ہو جائیں تو بھی سنی کانفرنس اس معاملے میں ان کی موافقت نہیں کرے گی اور سنی کانفرنس مطالبۂ پاکستان کو لے کر آگے بڑھے گی۔ قیام پاکستان مسلمانوں کا حق ہے اور یہ حق انہیں ہر صورت ملنا چاہیے"

اس بات کے قومی، تاریخی شواھد ہیں کہ علامہ اقبال، محمد علی جناح اور مولانا محمد علی جوھر نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کے افکار سے رہنمائی حاصل کی۔ علامہ اقبال کی دعوت پر جناح صاحب جو یہاں کے حالات سے بددل ہو کر انگلستان چلے گئے تھے، دوبارہ ھندوستان واپس آئے اور مسلم لیگ کی دوبارہ شیرازہ بندی کی۔ قائداعظم نے علمائے اہل سنت سے تحریک پاکستان کے دوران یہ وعدہ کیا تھا کہ "پاکستان میں قرآن وسنت کا آئین اور قانون نافذ ہوگا" پیر مانکی شریف علیہ الرحمۃ کو انہوں نے اس سلسلے میں ایک تحریر بھی دی تھی قیام پاکستان کے بعد ۱۹۴۸ء میں صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی جب پاکستان تشریف لائے تو انہوں نے قائداعظم اور شہید ملت نواب زادہ لیاقت علی خاں وزیراعظم پاکستان اور دوسرے مقتدر علماء وزعماء سے دستور پاکستان پر گفتگو کی۔ قائداعظم اور شہید ملت نے ان کو دستور پاکستان کی دفعات مرتب کرنے کیلئے کہا لیکن صدر الافاضل علیہ الرحمۃ اپنی علالت کی وجہ سے مراد آباد واپس چلے گئے اور وعدہ کیا کہ وہاں سے یہ دفعات مرتب کر کے بھیجیں گے لیکن آپ کی زندگی نے وفا نہ کی اور آپ ابھی دستور اسلامی کی صرف گیارہ (۱۱) دفعات ہی مرتب کر پائے تھے کہ ۲۳ر اکتوبر ۱۹۴۸ء آپ اپنے خالق حقیقی سے جا ملے اور ادھر پاکستان میں ۱۱ر ستمبر ۱۹۴۸ء کو قائداعظم محمد علی جناح بھی انتقال کر گئے۔ اس کے بعد جب قانون ساز اسمبلی میں قرارداد مقاصد کی تیاری کی باری آئی تو علماء اہل سنت نے اس میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔

غرضیکہ تحریک آزادی ھند سے لے کر تحریک پاکستان اور قیام پاکستان تک علماء حق اہل سنت اور مشائخ کرام نے بھرپور کردار ادا کیا۔ انہوں نے اور عوام اہل سنت نے ہر سطح پر مسلم لیگ کا ساتھ دیا لیکن قابل افسوس بات یہ ہے کہ جب پاکستان بن گیا تو جو محسنین پاکستان تھے ان کو فراموش کر دیا گیا یہ ایک بہت بڑا المیہ ہے۔ تاریخ میں اختلاف رائے ایک معمولی امر ہے یہ تحقیق میں کسی طرح مخل نہیں ہوتا، لیکن پاکستان میں بعض تحقیقات سیاست کی نظر ہو کر رہ گئیں۔ عالم اسلام کے معروف محقق محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب تحریک پاکستان اور مسلمانان ھند کی جدوجہد آزادی پر تحقیقی تصنیفی اور تاریخی کام کرنے والے محققین اور اہل قلم حضرات کے متعلق تجزیہ کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> "ہماری تاریخ کے ایک حصے پر جو علماء اور صوفیہ سے متعلق ہے، سیاست چھائی ہوئی ہے---بعض مؤرخ تو وہ ہیں جو علماء حق سے قریب نہ ہونے کی وجہ سے ان سے بے خبر رہے۔ بعض کی وفاداریاں قوم پرست علماء کے ساتھ تھیں وہ کھل کر نہ لکھ سکے بلکہ بعض نے تاویلات سے کام لے کر تاریخ کو مسخ کرنے کا فریضہ ادا کیا ہے۔ بعض محض عقائد کے اختلاف کی وجہ سے اپنے مخالف علماء کی خدمات کو نہ سراہ سکے، ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ آزادی ملے پچاس برس بیت جائیں اور قوم اپنے محسنین سے ناآشنا رہے"

ڈاکٹر صاحب اس تاریخی فروگذاشت کے عواقب و نتائج کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مزید تحریر کرتے ہیں :

"اس نازک دور میں جب کہ قوم کا سیاسی شعور پختہ نہیں بعض حضرات "متحدہ قومیت" کے علمبردار علماء کے کردار کو محسن اسلام بنا کر پیش کر رہے ہیں اور شاید وہ اس حقیقت سے بے خبر ہیں کہ غیر شعوری طور پر وہ نئی نسل کے دل میں ان کی محبت قائم کر کے بالواسطہ طور پر "متحدہ قومیت" کے تصور کو پھیلا رہے ہیں، یہ طرز عمل نہایت خطرناک ہے۔ چاہئے تو یہ تھا کہ ان کی غلطیوں سے قوم کو آگاہ کر کے ان کے مقابلے میں علماء حق کے کردار کو روشن کرتے اور اس طرح ان کے سیاسی شعور کو پختہ تر کرتے مگر افسوس ایسا نہیں ہوا، ان کے مقابلہ میں بعض منصف مزاج اور درد مند قلم کاروں نے ایسی کتابیں پیش کی ہیں جن سے علماء حق کے اس مقدس گروہ کے کچھ احوال معلوم ہوتے ہیں"

بہر حال یہ کاوشیں گو قابل قدر ہیں مگر ناکافی ہیں، ضرورت اس بات کی ہے کہ مستند مصنفین کی ایک ٹیم یا پھر کوئی مرکزی تحقیقاتی ادارہ اس طرف توجہ کرے اور مزید یہ کہ حکومتی سطح پر بھی یہ کام ترجیحات میں شامل کیا جائے اور محسنین قوم، علماء حق کے کارنامے ہر سطح کے نصاب میں لازمی شامل کئے جائیں اور تاریخ کے اصلی خدوخال کو واضح کیا جائے۔

یہاں اس بات کا اظہار کئے بغیر بھی نہیں رہا جا سکتا کہ جناح صاحب کی زندگی نے وفا نہ کی اور وہ اسلامی آئین کے نفاذ کیلئے عملی اقدام نہ کر سکے لیکن ان کے جانشینوں نے قوم کو سخت مایوس کیا، جو وعدے کئے وہ پورے نہیں کئے گئے۔ پاکستان بننے کے بعد یہاں جو کچھ ہوا اور اب تک جو کچھ ہو رہا ہے وہ معماران پاکستان کے سان و گمان میں بھی نہ تھا۔

جناح صاحب کی جانشینی کا دعویٰ کرنے والوں کا فرض ہے کہ اولین فرصت میں نظام مصطفےٰ نافذ کر کے قیام پاکستان کا مقصد پورا کرائیں اور علماء حق معماران پاکستان اور ان لاکھوں مسلمان مرد، عورت اور بچوں کی روح کی تسکین کا سامان بہم پہنچائیں جنہوں نے قیام پاکستان کی خاطر اپنی جانیں قربان کیں اور جام شہادت نوش کیا۔

یارب العالمین! جل جلالہ سلامتی، برکتیں اور رحمتیں نازل ہوں ان تمام مشائخ عظام اور علمائے کرام اور عامۃ المسلمین پر جن کی جان و مال اور عزت و آبرو کی قربانی کی وجہ سے ہمیں ایک آزاد وطن پاکستان کی صورت میں حاصل ہوا۔ اور اے باری تعالیٰ ہماری اس پاک سرزمین کی حفاظت و نصرت فرما اور تا صبح قیامت اس کی آزاد فضاؤں کو اپنی رحمتوں اور برکتوں سے معمور رکھ، ہمیں اور ہمارے حکمرانوں کو یہاں نظام مصطفےٰ ﷺ نافذ کرنے کی توفیق رفیق عطا فرما اور اس کے نفاذ کے متمنی اور کوشش کرنے والوں کی خیر فرما!

یارحمۃ اللعالمین ﷺ نظر کرم خدارا! اپنے تمام غلاموں اور عالم اسلام کو یہود و ہنود اور کفار و نصاریٰ کی سازشوں اور ان کے مذموم عزائم سے محفوظ و مامون فرمایئے اور اہل اسلام کے تمام خارجی و باطنی دشمنوں کو نیست و نابود فرمائیں، مجاہدین اسلام خصوصاً کشمیر، فلسطین اور چیچینا کے مجاہدین کی مدد فرمایئے اور انہیں حوصلہ دیجئے۔

شمع کی طرح جئیں بزم گہ عالم میں　　　خود جلیں دیدۂ اغیار کو بینا کر دیں

▲▲▲▲▲▲▲▲

فى ذكراه الثانية والثمانين
مولانا أحمد رضا خان القادرى (١)
وصلات برجالات الدين والأدب فى العالم العربى
(١٢٧٢-١٣٤٠هـ/١٨٥٦-١٩٢١م)

بقلم: حازم محفوظ
قسم اللغة الأردية وآدابها
جامعة الأزهر الشريف

يعد مولانا « أحمد رضا خان » القادرى الهندى أحد أبرز أعلام رجالات الدعوة والفكر والأدب الأردى والعربى والثقافة الإسلامية - بعامة - فى القرن العشرين بشبه القارة الهندية ، وأحد أبرز الداعين إلى عقد صلات وثقى مع العلماء والأدباء فى العالم العربى الذى شغف به كل الشغف .

ينتسب أحمد رضا إلى أسرة برهيج التى تقيم فى ضواحى مدينة قندهار الأفغانية ، ومنها هاجر أجداده واستوطنوا مدينة بريلى فى عهد الدولة المغولية - آخر دولة إسلامية حكمت شبه القارة الهندية لما يقرب من ثلاثة قرون - وكان أجداده أصحاب مناصب رفيعة فى الدولة المذكورة لما كانوا يتميزون به بين أكابر رجالات الدين والثقافة الإسلامية والشهرة الذائعة بين أوساط العامة والخاصة .

ولد « أحمد رضا » فى العاشر من شهر شوال عام ١٢٧٢ هـ / الرابع عشر من شهر يونيو عام ١٨٥٦ م بحى جسولى بمدينة بريلى التابعة لإقليم اتريرديش ، وذلك فى زمن الاحتلال الإنجليزى الغاشم لشبه القارة الهندية التى تتكون اليوم من ثلاث جمهوريات ذات سيادة .

---

(١) كتب هذا البحث بمناسبة الذكرى الثانية والثمانين لرحيل الإمام أحمد رضا خان ، وقدم إلى صوت الشرق التى تصدر فى القاهرة ، ومعارف رضا التى تصدر فى كراتشى

بدأ أحمد رضا تلقى تعليمه وتربيته على يد والده محمد نقى على خان القادرى (١٢٤٦ ـ ١٢٩٧ هـ/ ١٨٣٠ ـ ١٨٨٠ م) وجده محمد رضا على خان النقشبندى ـ (١٢٢٤ ـ ١٢٨٢ هـ/ ١٨٠٩ ـ ١٨٦٦ م) وهما من أكابر مشايخ التصوف الإسلامى المستنير . فنال من بحار علومهما الكثير والكثير وكان ما يزال صبيا ، حين التحق بمدرسة مصباح العلوم التى شيدها والده لنشر علوم العربية والثقافة الإسلامية فى شبه القارة الهندية ، وفيها أجاد اللغة العربية إجادة تامة ، وحفظ القرآن الكريم وأجاد تلاوته وأنهى مرحلة الدرس النظامى عام ١٢٨٦ هـ/ ١٨٦٨ م .

ولم يكتف أحمد رضا بهذا الحد ، بل كان طموحا محبا للعلم إلى أبعد حد فمضى ليتلمذ على يد مشاهير العلماء أمثال الشيخ غلام قادر بيك الكهنوى والشاه أبو الحسن أحمد النورى والشيخ عبد العلى الرامبورى . وإلي جانب هذا أخذ فى تثقيف نفسه بنفسه فانكب على العلوم والفنون ليغترف منها ما يروى ظمأ الباحث المتخصص ، مما وصلت إليه يده حتى برع ومهر فى خمسة وخمسين علما وفنا .

ومن أعجب ما يروى عنه أنه حينما ظهرت موهبته فى نظم الشعر باللغات الأردية والعربية والفارسية والهندية ، لم يتوجه إلي شاعر ليتلقى عنه فنون الشعر ونظمه بل اطلع بنفسه على أمهات الكتب المتخصصة ودواوين الشعراء ، لينظم من بعد أشعار باللغات الأربعة حيرت العرب والعجم وجعلت منه أكبر وأشهر شاعر من العجم ينظم فى المديح النبوى الشريف ، الذى كاد يقتصر أغراض نظمه فيه .

وعلى الرغم من وصوله إلى هذه المنزلة وهو ما يزال فى شبابه المبكر غير أنه رأى ضرورة تلقى المزيد من العلم فى العالم العربى والتلمذ على يد مشاهير العرب من رجالات الدين والعلم والأدب وهو فى هذا يقتدى بوالده العلامة الجليل .

ويذكر أن « أحمد رضا » تتلمذ لعلماء مصر من خلال مصنفاتهم الشهيرة التى صدرت منها طبعات وطبعات فى شبه القارة الهندية ، ومن هؤلاء نذكر : الإمام جلال الدين السيوطى والإمام عبد الوهاب الشعرانى والإمام بدر الدين العينى والإمام أحمد بن محمد القسطلانى والشيخ عبد الرحيم القناوى . ولقد ذكرهم جميعا بكل احترام

واعترف بفضل ريادتهم لنجوم الهدى فى أمتهم الإسلامية قاطبة .

وانتهز « أحمد رضا » الفرصة المواتية للتتلمذ بدون واسطة على يد مشاهير علماء العرب الذين عاصرهم فحينما توجه إلى الحج فى صحبة والده عام ١٢٩٥ هـ / ١٨٧٨ م ـ وهو فى الثانية والعشرين من عمره ـ وبعد أداء مناسك الحج أخذ يتصل بأكابر علماء العرب ليتتلمذ على أيديهم والحصول على سنادات الإجازة فى العلوم الشرعية مثل علوم الحديث والتفسير والفقه وأصوله . ومن أكابر هؤلاء العلماء نذكر الفقيه والمحدث الشهير الشيخ السيد أحمد بن زينى دحلان الشافعى المكى ، الذى أعجب بالمواهب الدينية والعلمية عند « أحمد رضا » ـ على صغر سنه ـ فمنحه سند الحديث الشريف . ورأينا « أحمد رضا » يذكر أستاذه هذا بكل إجلال يقول : « شيخ العلماء بالبلد الأمين المحدث الفقيه الرزين المولى السيد أحمد بن زينى دحلان المكى قدس سره الملكى » .

وتتلمذ كذلك على يد الإمام الشيخ عبد الرحمن بن عبد الله السراج المكى مفتى الحنفية ورئيس العلماء بمكة المكرمة ، وذكره بقوله : « المولى الأجل الفقيه المبجل درة التاج وبدر الداج مفتى الحنفية بمكة المحمية سيدنا الشيخ عبد الرحمن السراج » .

وتتلمذ كذلك على يد الإمام الشيخ السيد حسين بن صالح المكى إمام الشافعية فى مكة المكرمة . ومما يجدر ذكره أن هؤلاء العلماء تحيروا من المواهب العلمية الكثيرة التى تميزت بها شخصيته ، فبشروا « أحمد رضا » بمستقبل مشرق فى خدمة الإسلام والمسلمين واللغة والأدب العربى فى شبه القارة الهندية وخارجها .

وفى ضوء هذا نتبين مدى سعى « أحمد رضا » للتتلمذ على إكابر علماء الحرمين الشريفين وحصوله على سندات الإجازة رغم صغر سنه وقصر المدة التى مكثها بينهم ، وكان لهذا العمل عظيم الأثر فى حياته العلمية ومؤلفاته ومكانته بين أكابر علماء شبه القارةالهندية ـ على الأخص ـ .

ولقد أعجب وبُهر علماء العرب من مدى إجادة « أحمد رضا » للغة العربية

وإطلاعه على الأدب العربي على مر عصوره ، على الرغم من تعلمه العربية في مسقط رأسه وعدم زيارته لاى قطر عربى من قبل .

ورأيناه وبعد أن أدى مناسك الحج يقوم ـ وتلبية لمطلب أستاذه السيد حسين بن صالح ـ بتأليف ـ فى يوم واحد ـ شرح لرسالة أستاذه وأسماه : « النيرة الوضية فى شرح الجوهرة المضيئة » . فتعجب أستاذه من سرعة قيامه بهذا العمل العلمى الذى أورد فيه آراء المذهبين الحنفى والشافعى فى معظم المسائل الفقهية التى وردت فى كتاب « الجوهرة المضيئة » . فما كان من الشيخ « السيد حسين » إلا أن تقدم إلى «أحمد رضا» وضمه إلى صدره وأخذ يدعو له بالتوفيق لخدمة الإسلام والمسلمين ، ثم منحه سند الإجازة فى رواية الحديث وفق كتب الصحاح الستة مع الإجازة فى الطريقة القادرية ولقبه بضياء الدين أحمد . وكانت سفريته الأولى إلى أراضى الحجاز بداية تعرفه عن قرب على علماء العرب .

وعاد « أحمد رضا » إلى موطنه الأم مدينة بريلى ، وقد حمل أجمل الذكريات ، ثم انشغل فى المطالعة والإفتاء والتصنيف ، غير أن حنينه وشوقه للعودة إلى الأراضى المقدسة ظل يلازمه على الدوام ، ومع هذا الحنين والشوق لم يجد فرصة كى يعاود السفر إليها إلا بعد مرور ما يقرب من ثمانية وعشرين عاما وكان عمره فى ذلك الوقت اثنتين وخمسين سنة ، وقد بلغ من الشهرة العالمية ما جعله حديث أوساط العلماء والأدباء فى كل مكان .

ثم كانت سفرته الثانية إلى الأراضى المقدسة فى موسم الحج لعام ١٣٢٣ هـ / ١٩٠٥ م وذلك بعد أن استأذن والدته المسنة فى القيام بهذه الرحلة الروحية المباركة فأعاد أداء فريضة الحج وبقى ما يقرب من ثلاثة أشهر . ويذكر أن شهرة « أحمد رضا » ومنزلته الدينية والعلمية الكبيرة جعلت من علماء الأراضى المقدسة والمغرب والشام والعراق وغيرهم ينتظرون مقدمه للاحتفاء به والتتلمذ على يديه .

وروى حامد رضا خان ما شاهده أثناء مرافقته لوالده « أحمد رضا » فى سفرته الثانية لكل من مكة المكرمة والمدينة المنورة وإقبال العلماء العرب الأجلاء وسعيهم

للقاء به وطلب الفتوي منه ، يقول :« كنت دخيلا فى محاسيب عياله متشبثا بأهدابه وأذياله فرأيت ما قد خصه الله تعالى به من مزايا الإكرام وأسبغ عليه من العطايا العظام، وأسبل عليه من غطاء الأنعام ببلده الحرام وبلد حبيبه سيد الأنام ، فبجله أهاليهما ووقروه وكرموه وحبروه ... وقابله العلماء الكرماء الأتقياء العظماء الكبار الأعلام بكمال الأعزاز ونهاية الاحترام ، وشهدوا له أنه السيد الفرد الإمام ، بل قبلوا أياديه والأقدام واستمعوا منه الحديث المسلس بالأولية واستجازوا منه بالصحاح والسنن وانسلكوا فى السلسلة العلية القادرية ... وحق الحق لم يطلب والدى شهرة فى الخلق ولم يبغ طريقا إلى تلك المسالك ولم يلق بالا إلى تسبب فى ذلك ... فمع حب والدى العزلة وضع الله له فى أرضه القبول فرأينا العلماء إليه مهرعين وأكابر العظماء إلى إعظامه مسرعين فمنهم من يقتبس من أنوار علمه وضياءه ، ومن يلتمس البركة فى لقاء محياه . وهذا جاء فسأل واستفتى وهذا جليل يعرض عليه ما كان أفتى » .

ولم يتوقف نشاط « أحمد رضا » العلمى عند زيارة العلماء واستقبالهم وعقد الندوات الدينية والإفتاء فى كل ما عرض عليه من فتاوى ، بل أن شغفه بالتصنيف ـ الذى اشتهر به ـ جعل علماء الحرمين الشريفين يعرضون عليه القيام بتصنيفين فى مسألتين كانتا على الساحة الدينية ـ حينذاك ـ فقام بتأليف كتاب « الدولة المكية بالمادة الغيبية » فى سعة علوم المصطفى فى ثلاثة أيام ، وكتاب « كفل الفقيه الفاهم فى أحكام قرطاس الدراهم » فى مسألة استخدام الأوراق المالية أو العملة الورقية ، فى يومين .

ومن العلماءالعرب الأجلاء الذين تتلمذوا على يد « أحمد رضا » نذكر الشيخ عبد الحى الكتانى والشيخ صالح كمال والشيخ إسماعيل بن خليل والشيخ أحمد الخضرواى المكى والشيخ عبد القادر الكردى والشيخ محمد سعيد المدنى والشيخ عبد الله دحلان والسيد محمد بن عثمان دحلان .

ويجدر بالذكر أن « أحمد رضا » أثناء سفره من مكة إلى المدينة المنورة قام بنظم منظومة باللغة الأردية فى مدح خير البرية ، وهذه ترجمة عربية منظومة لبعض أبياتها :

وذى كعبة يا حجيج انظروا　　لها كعبة مثلـــها أبصروا

من الركن عن غربة نبعد بيثرب شوقا لكم جددوا

روينا بزمـــزم فى كل آن لنشهد مليــكا لنهر الجنان

وميزاب جــود علينا انهمر ورحمة يثرب ملء البصر

يضج على بـابه من عشق ومن زاره فى الهوى يحترق

ولم تنقطع صلات « أحمد رضا » بالعالم العربى إلى عام وفاته (صفر ١٣٢٠هـ/ ١٩٢١م) بل ظل يراسل العلماء الذين إلتقى بهم ويستقبل بكل ترحاب القادم إليه فى مدينة بريلى .

إن من يطالع ديوانه العربى المسمى « ببساتين الغفران » أو ديوانه الأردى المسمى « بحدائق بخشش » يتيقن من مدى شغف « أحمد رضا » بالعلم العربى ، وإليك مثال من ترجمة عربية منظومة من شعره الأردى :

أحن حيــنا لأرض العرب لصحرائــها كل قلب وجب

وزهر تمنى قريب الوصـال لأزهارهم فـهى خلد الجمال

لكم من رياض فدت روضة لعُرب بدا حســنها ومضة

وقالت ورود قبـيل الذبول بصحرائهم كم وددنا الحلول

ويقول أيضا :

لعرب تراب مرآيا السحر دخان السراج سطوع القمر

ويا حبـذ للربـــيع الرفيق ربيع لهم ما له من خريف

وليست ورود بروض الجنان بأحسن من شوكهم حيث كان

ويظـمأ كل إلى الكـــوثر غـــدير لغـيم لهم ممـطر

وأطواق غم رمـاها الحمام إذا كان فى سروهـم ما أقام

وتسطع فى أوجـها شمسنا إذا غيـثهم جـادنا موهنا

فراشة ليـل كما الطـيرغر فشمعه عرب كنـور القمر

هذا مثال يحتذى فى صلات وثقى بين رجالات الدين والأدب فى شبه القارة والعالم العربى . إنه يبين مدى شغف علماء شبه القارة بالعالم العربى وتطلعهم إلى القدوم واللقاء بعلماء وأدباء العرب الذين أطالوا فى مدحهم باللغة الأردية وأحيانا بالعربية .

رحم الله مولانا « أحمد رضا » رحمة واسعة ، تحية وتقدير لروحه الطاهرة فى ذكراه الثانية والثمانين .

(صفحہ نمبر 14 کا بقیہ)

پاکستان میں مولانا احمد رضا خاں کے تلامذہ اور متبعین نے شروع سے لے کر اب تک مثبت کردار ادا کیا ہے، پاکستان کے ساتھ ان کی وفاداریاں غیر مشکوک ہیں۔ پاکستان کے معرض وجود میں آنے کے بعد بھی مولانا احمد رضا خاں کے متبعین اور مؤیدین اپنی سی کوشش کرتے رہے اور کر رہے ہیں، بکثرت علماء ہیں جن کا استحصاء مشکل ہے چند ایک یہ ہیں :

پیر جماعت علی شاہ علی پوری، پیر مانکی شریف، مولانا عبد العلیم میرٹھی، مولانا عبد الحامد بدایونی، مولانا عبد الغفور ہزاروی، مفتی محمد عمر نعیمی، مولانا سردار احمد، مولانا احمد سعید کاظمی، خواجہ قمر الدین سیالوی، مولانا عبد الستار خاں نیازی، مولانا عارف اللہ میرٹھی، مفتی محمد حسین نعیمی، مولانا عبد المصطفیٰ ازہری، مولانا شاہ احمد نورانی، پیر محمد کرم شاہ، مفتی شجاعت علی، مولوی محمد شفیع اوکاڑوی، مولانا جمیل احمد نعیمی وغیرہ وغیرہ

حوالا جات

(۱) محمد ایوب قادری: مقدمہ "پاکستان میں آئین کی تدوین اور جمہوریت کا مسئلہ" (از: خورشید احمد)، مطبوعہ کراچی، ۱۹۷۰ء، ص-۱۴

(۲) غلام معین الدین: حیات صدر الافاضل، مطبوعہ لاہور، ص ۱۷۳

(۳) ایضاً، ص-۱۸۳

(۴)(۵) ایضاً، ص-۱۸۶، مکتوب ۲

(۶) ایضاً، ص-۱۸۷ مکتوب ۳

(۷) ایضاً، ص-۱۸۹

(۸) سید محمد محدث اشرفی: خطبۂ صدارت جمہوریت اسلامیہ (۲۹ ر اپریل ۱۹۴۶ء)، مطبوعہ لاہور، ص ۲۴

(۹) ایضاً، ص-۲۶

(۱۰) سید محمد محدث اشرفی: الخطبہ الاشرفیہ جمہوریت الاسلامیہ، مطبوعہ لاہور، ص-۳۸

(۱۱) ایضاً، ص-۲۹

(۱۲) حیات صدر الافاضل، ص-۱۹۱ (ملخصاً)

(۱۳) ایضاً، ص-۱۹۵

مرتبہ: اقبال احمد اختر القادری

تحقیق: پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد★

'خیال' کی عظمت سے کس کو انکار ہے؟ قوموں کی آبادی و بربادی اسی 'خیال' کی کج روی و راست روی پر منحصر ہے ---- امام احمد رضا رحمۃ اللہ علیہ نے غیر منقسم ہندوستان کے اس پر آشوب دور میں جب کہ متحدہ ہندوستان اور متحدہ ہندو مسلم قومیت کے نعرے بلند کئے جا رہے تھے، اپنے اور بیگانوں کی ملامت کی پروا کئے بغیر بڑی جرأت و ہمت کے ساتھ ایک نیا خیال اور ایک نیا نظریہ پیش کیا۔ یہ وہ جذباتی دور تھا جب کہ انگریز کے حق میں بولنا اس کے خلاف بولنے سے کہیں زیادہ آسان تھا لیکن پھر بھی پاکستان کے ایک قلم کار پروفیسر محمد ایوب قادری نے ایک جگہ یہ عجیب اظہار خیال فرمایا ہے:

"انگریز نے توڑ کے لئے اپنی تائید میں جوابی فتوے تیار کرائے ---- یہ بات خاص طور سے قابل ذکر ہے کہ اس زمانے میں مولانا اشرف علی تھانوی (ف ۱۹۴۳ء) اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی (ف ۱۹۲۱ء) ہر دو مختلف الخیال علماء نے ترک موالات کے خلاف علیحدہ علیحدہ فتوے دیئے جو انگریزوں کے ایماء سے لاکھوں کی تعداد میں چھپوا کر تقسیم کئے گئے۔ (۱)

بظاہر اس تحریر سے یہی ثابت کرنا مقصود ہے کہ فاضل بریلوی برطانوی حکومت کے خیر خواہ اور تحریک آزادی کے دشمن تھے۔ اس لئے ہم نے ضروری سمجھا کہ محض تاریخی نقطۂ نظر سے ان مخفی تاریخی حقائق و شواہد کو واشگاف کیا جائے جن کے اخفا نے مخلصین کو غلط فہمی میں مبتلا کر دیا اور معاندین و مخالفین کے لئے راہ ہموار کر دی۔

فاضل بریلوی نے حضرت مجدد الف ثانی (م ۱۰۳۴ھ / ۱۶۲۴ء) کے مسلک کی پیروی کرتے ہوئے ۱۹۲۰ء / ۱۳۳۹ھ میں دو قومی نظریہ کی داغ بیل ڈالی جس کی بنیاد پر پاکستان معرض وجود میں آیا۔ اسی سال فاضل بریلوی رحلت فرما گئے لیکن وہ اپنے پیچھے ایک ایسی جماعت چھوڑ گئے جس نے اس مشن کو آگے بڑھایا۔ چنانچہ آپ کی زندگی ہی میں ان حضرات نے اپنا کام شروع کر دیا تھا۔ ۱۹۱۹ء / ۱۳۳۸ھ سے قبل جماعت رضائے مصطفیٰ قائم کی گئی۔ اس جماعت نے اتمام حجت تامہ کے عنوان سے (۷۰) سوالات پر مشتمل ایک سوال نامہ ترک موالات کے حامی علماء کے خدمت میں پیش کیا۔ فاضل بریلوی کے خلیفہ پروفیسر سید سلیمان اشرف نے مسئلہ ہندو مسلم متحدہ قومیت پر صدر جمعیۃ العلماء ہند مولانا ابو الکلام آزاد سے تبادلہ خیال کیا اور ۱۴؍ رجب ۱۳۳۹ھ / ۱۹۲۰ء کو بریلی کے ایک جلسہ عام میں جو مولانا آزاد کی صدارت میں ہو رہا تھا بیباکانہ اپنے مؤقف کا اظہار فرمایا۔ اسی طرح فاضل بریلوی کے دوسرے خلیفہ اور جلیل القدر عالم مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے دہلی جا کر مولانا محمد علی جوہر سے ملاقات کی اور

★(سرپرست اعلیٰ، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا، پاکستان)

ان کو مشرکین ہند کے ساتھ مسلمانوں کے اختلاط واتحاد کے خطر ناک نتائج سے آگاہ کیا(۲)۔ مولانا نعیم الدین موصوف نے ترک موالات کے نتیجے میں ہونے والی ہندو مسلم اخوت کے خلاف یکے بعد دیگر دو مضامین قلم بند کئے، خلافت کمیٹی کی فتنہ سامانیاں اور علماء اہل سنت کی کارگزاریاں، (السواد الاعظم، مراد آباد، ماہ شوال ۱۳۳۸ھ/۱۹۱۹ء) اور موالات (حیات صدر الافاضل، ص ۱۱۸-۱۵۳)----ان دونوں مضامین میں ہندوؤں کے ساتھ مسلمانان ہند کے اشتراک واختلاط کے عدم جواز اور اس کے مہلک نتائج پر مدلل اور جامع بحث کی ہے۔

۱۹۴۰ء/ ۱۳۵۹ھ میں مسلم لیگ نے دو قومی نظریہ کی بنیاد پر مطالبۂ پاکستان پیش کیا، علماء اہل سنت (مسلک بریلوی) شروع سے دو قومی نظریہ کے داعی تھے اس لئے انہوں نے اوران کے زیراثر پاک وہند کے لاکھوں مسلمانوں نے تحریک پاکستان میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیااور مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے "آل انڈیا سنی کانفرنس" کے پلیٹ فارم سے (جو ایک عرصہ پہلے خود مولانا کی تحریک پر قائم ہوئی تھی) پاک و ہند کے طول وعرض میں دورے شروع کر دیئے (۳)

مولانا نعیم الدین مراد آبادی نے، صدر آل انڈیا سنی کانفرنس (پنجاب) مولانا ابو الحسنات محمد احمد (لاہور) کے استفسار پر جو مکتوب ارسال کیا تھا اس کے مطالعے سے ان کے عزم وحوصلے کا اندازہ ہوتا ہے اور یہ بھی انداہ ہوتا ہے کہ مولانا احمد رضا خاں کے یہ تربیت یافتہ حضرات تحریک پاکستان کے لئے کتنے پر جوش اور مخلص تھے، مکاتیب کے بعض اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں:

(۱) "آل انڈیا سنی کانفرنس" کا نام جمہوریت اسلامیہ مرکزیہ ہے یہ دو ایوانوں پر مشتمل ہو گی، ایک ایوان عام، ایک ایوان علماء----ایوان علماء کا نام جمہوریت عالیہ ہوگا---(۴)

(۲) پاکستان کی تجویز سے جمہوریت اسلامیہ کو کسی طرح دست بردار ہونا منظور نہیں، خود (قائد اعظم محمد علی جناح) اس کے حامی رہیں یا نہ رہیں----(۵)

(۳) الیکشن کے موقع پر کانگریس کے حق میں رائے دینے سے مسلمانوں کو روکنا بالکل بجا ہے اور اس میں کچھ بھی تامل نہیں(۶)۔

۱۹۴۵ء/ ۱۳۶۵ھ میں آل انڈیا سنی کانفرنس کی سرگرمیوں کو تیز تر کر دیا گیا اور جلد ہی ایک آل انڈیا اجلاس کا اعلان کر دیا گیا، چناں چہ ۲۷ تا ۳۰/اپریل ۱۹۴۲ء/ ۱۳۶۶ھ کو بنارس میں چار روزہ اجلاس منعقد ہوا جس میں پاک وہند کے پانچ ہزار علماء مشائخ نے شرکت کی اور اجلاس عام میں ڈیڑھ لاکھ حاضرین کا اجتماع ہوا(۷) (ویسے آل انڈیا سنی کانفرنس کے مرکزی دفتر میں پہنچنے والی اطلاعات کے مطابق علماء اہل سنت کی تعداد بیس(۲۰) ہزار سے متجاوز تھی۔ خطبۂ صدارت، ص ۲۴)----صدر جماعت استقبالیہ جمہوریت اسلامیہ مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی (تلمیذ مولانا احمد رضا خاں) نے خطبۂ صدارت پڑھا، جس کے بعض اہم اقتباسات یہاں پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ جن سنیوں نے لیگ کے اس پیغام کو قبول کیا ہے اور جس مسئلے میں لیگ کی تائید کرتے پھرتے ہیں وہ صرف اس قدر ہے کہ ہندوستان کے ایک حصے پر اسلام کی، قرآن کی، آزاد حکومت ہو----(۸)۔

۲۔ ہم سے مسلم لیگ کو اسی کی امید رکھنی چاہیے کہ اس کا جو قدم سنیوں کے سمجھے ہوئے پاکستان کے حق میں ہوگا (یعنی اسلام اور قرآن کی آزاد حکومت) اور اس کے جس پیغام میں اسلام و

مسلمین کا نفع ہوگا، آل انڈیا سنی کانفرنس کی تائید اس کو بے دریغ حاصل ہوگی اور دینی امور میں ہاتھ لگانے سے پہلے آل انڈیا سنی کانفرنس کی رہنمائی اس کو قبول کرنی ہوگی اور ضرور کرنی پڑے گی---- (۹)۔

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی موصوف نے آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس منعقدہ اجمیر شریف ۵۔۶ رجب ۱۳۶۵ھ / ۱۹۴۶ء میں جو خطبۂ صدارت دیا تھا اس کے یہ اقتباسات قابل توجہ ہیں :

ا۔ اب بحث کی لعنت چھوڑو، اب غفلت کے جرم سے باز آجاؤ، اٹھ پڑو، کھڑے ہو جاؤ، چلے چلو، ایک منٹ بھی نہ رکو، پاکستان بنالو تو جاکر دم لو کہ یہ کام اے سنیوں سن لو کہ صرف تمہارا ہے (۱۰)۔

۲۔ اگر ایک دم سارے سنی مسلم لیگ سے نکل جائیں تو کوئی مجھے بتادے کہ مسلم لیگ کس کو کہا جائے گا ؟ اس کا دفتر کہاں رہے گا ؟ اور اس کا جھنڈا سارے ملک میں کون اٹھائے گا ؟ (۱۱)

آل انڈیا سنی کانفرنس کے اجلاس منعقد بنارس (اپریل ۱۹۴۶ء) میں اتفاق رائے سے جو قرار داد منظور کی گئی اس کی بعض اہم دفعات یہ ہیں :

ا۔ یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت، اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لئے ہر امکانی قربانی کے واسطے تیار ہیں۔

۲۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے لئے لائحہ عمل مرتب کرنے کے لئے حسب ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے :

مولانا سید محمد محدث کچھوچھوی (تلمیذ مولانا احمد رضا بریلوی)، مولانا نعیم الدین مراد آبادی (تلمیذ مولانا احمد رضا بریلوی)، مولانا مصطفیٰ رضا خاں (ابن مولانا احمد رضا بریلوی)، مولانا امجد علی (خلیفہ مولانا احمد رضا بریلوی)، مولانا عبد العلیم میرٹھی (خلیفہ مولانا احمد رضا بریلوی)، مولانا ابو الحسنات محمد احمد (ابن خلیفۂ مولانا احمد رضا بریلوی)، مولانا ابو البرکات سید احمد (ابن خلیفۂ رضا بریلوی)، مولانا عبد الحامد بدایونی، دیوان سید آل رسول (سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف، خواجہ قمر الدین سیالوی، شاہ عبد الرحمٰن بھر چونڈی شریف، سید امین الحسنات مانکی شریف اور مصطفیٰ علی خاں۔ (۱۲)

۱۴/ اگست، ۱۹۴۷ء / ۱۳۶۶ھ کو مملکت پاکستان وجود میں آئی۔ آل انڈیا سنی کانفرنس نے اس مملکت کے دستور کی طرف توجہ دی چناں چہ ۱۹۴۸ء / ۱۳۶۸ھ میں ناظم اعلیٰ مولانا نعیم الدین مراد آبادی پاکستان تشریف لائے۔ کراچی اور لاہور کے علماء سے تبادلہ خیال کیا، طے یہ پایا کہ مولانا موصوف اسلامی دستور کا خاکہ بنا کر پیش کر دیں جو قومی اسمبلی سے منظور کرالیا جائیگا، لیکن اچانک علالت جان لیوا ثابت ہوئی۔ گیارہ (۱۱) دفعات تحریر کرنے پائے تھے کہ اکتوبر ۱۹۴۸ء میں وصال فرمایا---- (۱۳)۔

چوں کہ آل انڈیا سنی کانفرنس کا مقصد پورا ہو چکا تھا اس لئے مارچ ۱۹۴۸ء / ۱۳۶۸ھ میں مدرسہ انوار العلوم (ملتان) میں علماء اہل سنت کا ایک اجتماع ہوا اور آل انڈیا سنی کانفرنس کا نام بدل کر جمعیۃ العلماء پاکستان رکھا گیا۔ مولانا ابو الحسنات محمد احمد کو صدر اور مولانا احمد سعید کاظمی کو ناظم اعلیٰ مقرر کیا گیا (حیات صدر الافاضل، ص-۱۹۶)، ہندوستان میں اس تحریک کو کلیتۂ ختم کر دیا گیا چونکہ آل انڈیا سنی کانفرنس کا مقصد حقیقی صرف تعمیر پاکستان تھا۔ (بقیہ صفحہ نمبر 11 پر

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی

ایک نادرِ روزگار شخصیت

از : پروفیسر نثار احمد جان سرہندی مجددی★

چمنستان دہر میں علم و فضل کے ہزاروں گلہائے خوش رنگ کھلے کہ ان میں سے ایک ایک اپنی جگہ پر لاجواب و بے مثال مگر شہر بریلی کو یہ فخر وامتیاز حاصل ہے کہ اسی کی خاک پاک سے وہ سدا مہکتا ہوا پھول کھلا کہ جس کی خوشبو اور تازگی ہمیشہ مشال جان کو معطر کرتی رہے گی--- سینکڑوں ایسے چراغ روشن ہوئے جنھوں نے اپنی ضیا پاشی سے ظلمت کو نور میں تبدیل کردیا، مگر اس شہر کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اسی کی خاک سے وہ نادر روزگار عالم کتمان عدم سے عالم وجود میں آیا کہ جس کی نظیر ملنی محال ہے، کہ جس کے سوز دروں نے مسلم قوم کو اک شعلۂ مستعجل بنادیا۔

"ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی"

ایک ایسا نابغۂ عصر کہ جس کے علم کی مثال ترشے ہوئے ہیرے کی سی ہے کہ اس کو کسی بھی رخ سے دیکھیں انواع واحترام کی رنگارنگ کرنیں ضو فشاں نظر آئیں گی۔ ہر کرن اپنے حسن وخوبصورتی میں ایسی مثال اور اور اس میں جلال وجمال کاایسا حسین امتزاج کہ باید وشاید، جیسے دھنک کے خوش نما رنگ

قادر مطلق کی قدرت کے قربان جایئے کہ انیسویں صدی کی نصف آخر میں جبکہ مسلم قوم کے حالات دگرگوں ہو چکے تھے۔ وہ خالق اکبر، اعلیٰ حضرت کو منصۂ شہود پر لایا۔ جب کہ مغربی سامراج اپنی تمام تر چالاکیوں، عیاریوں اور مکاریوں کے ساتھ عالم اسلام پر حملہ آور ہو رہا تھا۔ طرح طرح کی ایسی تحاریک شروع ہو چکی تھیں، جن کا بنیادی مقصد مسلمانوں کے شیرازۂ ملی کو منتشر کرنا تھا۔ اسلامی عقائد و نظریات کے خلاف شکوک وشبہات واعتراضات کا ایک سیل گراں تھا۔ اعلیٰ حضرت نے باطل کے سامنے اپنے بے نظیر علم واستدلال کا ایک بند باندھا۔ اللہ پاک کس طرح سے اسباب و علل پیدا کرتا ہے اور پھر کس طرح سے ان کا دفعیہ بھی فرماتا ہے کہ "ہر فرعونے راموسیٰ" کا محاورہ منطبق ہوتا ہے۔

ان تمام تحاریک کا اصل مقصد مسلمانوں کے اتحاد ملی اور محبت رسول ﷺ کو کمزور کرنا تھا۔ باطل کو ہمیشہ یہ دقت پیش آتی ہے کہ ایک مسلم کے دل سے چاہے وہ کتنا ہی فرومایہ، گنہ گار اور سیاہ کار کیوں نہ ہو، کس طرح اس کو اسلام سے بدظن کیا جائے۔ اس کا حل باطل نے یہ ڈھونڈا کہ برا بھلا مسلمان جو ہر حال، ہر قیمت پر اسلام سے چمٹا ہوا ہے، وہ محض اس وجہ سے ہے کہ اس کو اپنے آقا و مولیٰ رسول عربی علیہ الصلوٰۃ والسلام سے بے پایاں محبت ہے، اور اسی محبت کو وہ اپنا منتہائے مقصود سمجھتا ہے۔ جبکہ اعلیٰ حضرت مجدد الف ثانی نے فرمایا ہے:

"آپ ﷺ کے واسطے کے بغیر، کسی کو مطلوب تک وصول محال ہے" (مکتوبات امام ربانی، ج ۳، مکتوب ۱۲۲، از مولانا حسن دہلوی)

باطل نے یہ محسوس کیا کہ جب تک مسلمان کے دل سے محبت رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام کو مٹایا نہیں جائے گا، وہ بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اس نے شان رسالت مآب ﷺ کو گھٹانا شروع کردیا۔ اعلیٰ حضرت نے اس خطرے کو شروع سے ہی بھانپ لیا

★(صدر شعبہ تعلیمات اسلامی، شاہ عبداللطیف، گورنمنٹ کالج، میرپور خاص، سندھ)

اور بہت تن دہی سے اس فتنہ کا مقابلہ کیا اور وہ اس فتنہ کو شروع سے ہی کیوں نہ بھانپ لیتے ؟ عاشق رسول ﷺ جو تھے --- ان کے جذبۂ عشق رسول ﷺ کے تو مولوی اشرف علی صاحب تھانوی بھی معترف ہیں۔ (ملاحظہ ہوں اشرف السوانح ج اول ص ۱۲۹)

کیوں کہ خالق اکبر نے محمد مصطفیٰ ﷺ کے دین کے دفاع کے لئے ہی عبد مصطفیٰ کو پیدا کیا تھا۔

خوف نہ رکھ ذرا رضا تو تو ہے عبد مصطفیٰ
تیرے لئے امان ہے تیری لئے امان ہے

ان منفی تحاریک نے ربط ملت کو کمزور کیا۔ مسلمان بجائے اغیار کے مقابلے میں بنیان مرصوص بننے کے، ایک دوسرے سے لڑنے لگا۔ مسلمانوں کا اتحاد و اتفاق پارہ پارہ ہو گیا۔ کسی فارسی کے شاعر نے کیا خوب کہا ہے ۔

زاتفاق مگس شہد می شود پیدا
خدا چہ لذتِ شیریں دراتفاق نہاد
(شہد کی مکھیوں کے اتفاق سے شہد پیدا ہوتا ہے
اللہ نے دیکھو تو اتفاق میں کتنی شرینی رکھدی ہے)

مگر افسوس شیرازہ ملت ہی منتشر ہو گیا۔ اعلیٰ حضرت کا اصل کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے مجددانہ شان سے ہر منفی تحریک کا مقابلہ کیا۔ ان کے اصل (گمراہ کن) مقاصد شرح و بسط کے ساتھ ملت کے سامنے واضح کئے۔ ان کی کجی وضلالت پر محکم دلائل کے کوہ گراں کھڑے کر دئے نہ صرف یہ بلکہ مسلمانوں کو محبت مصطفیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وہ جام ہائے زریں پلائے کہ جنکا نشہ کوئی ترشی اتار نہ سکے --- مسلمانوں کو اچھی طرح یہ جتادیا کہ محبت مصطفیٰ ﷺ ہی دین کا اصل الاُصول ہے ---

اعلیٰ حضرت نے صرف یہیں پر بس نہ کی، بلکہ مسلمانوں کے موہوم مستقبل کے جس کے بارے میں حالیؔ نے کس درد سے تڑپ کر کہا تھا کہ ۔

اے خاصۂ خاصان رُسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
(مثنوی مدوجزر اسلام)

وہ موہوم مستقبل کے جس پر گھٹاٹوپ اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اس مستقبل کا پورا لائحہ عمل مع تمام تر جزئیات کے قوم کے سامنے پیش فرمایا۔

انہوں نے ان پرخلوص مگر سادہ لوح مسلمان رہنمایان قوم کا خوب تعاقب کیا۔ جنہوں نے اپنی سادگی سے گاندھی جی سے خوب دھوکا کھایا۔ جن کی غلط پالیسیوں سے مسلم قوم کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا۔ انہوں نے ان لیڈروں کے لئے ایک نئی مگر دلچسپ اصطلاح وضع کی۔ وہ تھی ''حضرات لیاڈر'' کی دلچسپ اصطلاح --- (ملاحظہ ہوں [illegible] ص ۲۹۵)

ان حضرات لیاڈر کی غلط پالیسیوں نے مسلمانوں سے سب ہی کچھ تو چھین لیا مسلمانوں نے ان کی جذباتی باتوں میں آکر اپنا سب کچھ تیاگ دیا۔ اپنی ملازمتیں، دکانیں، زمینیں، خطابات سب ہی کچھ تیاگ کر ہجرت کو سدھارے۔ مجھے عرض کرنے دیجئے کہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی کے بعد مسلمانان برصغیر کو جتنا نقصان تحریک ترک موالات اور تحریک ہجرت نے پہنچایا اتنا نقصان کبھی نہ پہنچا۔ ان حضرات کی غلط سیاست کاری نے مسلم قوم سے سب ہی کچھ تو چھین لیا تجارت، زراعت، حرفت، ملازمت سب کچھ تو چھین گیا --- انگریز پہلے سے زیادہ دشمن اور سفاک اور برادران وطن، جن کی محبت میں انہوں نے یہ سب دکھ جھیلے۔ وہ ان کو زیادہ سے زیادہ شدھی کرکے اچھوتوں (Untouchables) کا درجہ عطا فرما رہے تھے --

اعلیٰ حضرت نے انتہائی دل سوزی سے مسلمانوں کو نقیب وقت بن کر نصیحت کی۔ ان کے جلو میں قائداعظم محمد علی جناح اور دیگر مخلص رہنما بھی تھے۔ مگر افسوس کہ قوم ان ''حضرات لیاڈر'' کی باتوں پر بری طرح فریفتہ ہو چکی تھی اور صُمٌّ بُکمٌ عُمْیٌ فَہُمْ لَا یَرْجِعُوْنَ کی عملی تفسیر بن گئی تھی---

یہ وہ دور تھا جب عالم اسلام شدید کرب واضطراب کے عالم سے گزر رہا تھا۔ طاغوتی طاقتیں اپنی ویسہ کاریوں سے

ایک طرف تو مسلم ممالک پر قبضہ جمارہی تھیں، دوسری طرف اندرونی طور پر مسلمانوں میں شکوک و شبہات، اضطراب و اختلافات پیدا کر کے ان کی شیرازہ بندی کو منتشر کرنے کی کوشش کر رہی تھیں۔ اس دور میں اعلیٰ حضرت نے قلم سے تلوار کا کام لیا وہ بیک وقت چومکھی لڑائی لڑ رہے تھے۔ ان کے قلم سے نکلا ہوا ایک ایک لفظ برق تپاں بن کر اغیار پر گر رہا تھا اور اسی کی چمک سے مسلم قوم کو نشان منزل مل رہا تھا---

یہ کہنا غلط ہے کہ اعلیٰ حضرت کسی سے لڑے وہ کسی سے نہیں لڑے ان کی تمام تر اعتراضات، غصہ، ناراضگی و اضطراب سراسر مبنی بر خیر خواہی تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ہر عالم دین کی کثافت اور کجی کو دور کریں۔ اس کے معتقدات کو خالص کریں۔ ان کا اصل مقصد اپنے گم کردہ راہ مسلمان بھائی کو صراط مستقیم دکھانا تھا۔ (ملاحظہ فرمائیں انکا مکتوب بنام مولانا عبدالباری فرنگی محلی۔ تنقیدات و تعاقبات ص ۲۰۱، از ڈاکٹر مولانا محمد مسعود احمد صاحب) لاریب، ان کا تمام تر غصہ، اضطراب خالصتاً لوجہ اللہ اور عشق مصطفیٰ کی وجہ سے تھا جس کا اعتراف مولوی اشرف علی صاحب تھانوی کو بھی تھا۔ (ملاحظہ ہوں: اشرف السوانح۔ ج: ۱، ص ۱۲۹)

اعلیٰ حضرت ایک ہمہ پہلو شخصیت تھے۔ ایک ایسی علمی شخصیت جس کا ہر پہلو حیرت انگیز ہو وہ ایک ہیرا تھے کہ جس کا ہر رخ اتنا روشن اور دلآویز کہ روشنی کی کرن پڑتے ہی اس کا ہر رخ نئے نئے انداز سے دمکنے لگے۔ ان کی شخصیت، ان کی عبقریت کو دھندلا رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی گئی۔ (ملاحظہ فرمائیں: مکاتیب سید ابوالاعلیٰ مودودی: مکتوب ۱۶۲ اول ص ۲۴۰) ان پر طرح طرح کی الزامات عائد کئے گئے۔ مگر جیسے چمکتا چاند بادلوں کی اوٹ میں ہمیشہ کے لئے اوجھل نہیں رہ سکتا، بلکہ اندر پیارے بادلوں کا سینہ چیر کر اور منور ہو کر چمکنا شروع کر دیتا ہے۔ بعینہ اسی طرح اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو دھندلا کرنے کی ہر سازش ناکام ہو گئی جیسے وقتی گرد و غبار آئینہ کو اگر دھندلا کر دے اور پھر جب ذرا سا اس کو صاف کیا جائے تو وہ مجلا چمکنے لگے--- مجھے بصد فخر و ناز یہ عرض کرنے دیجئے کہ اعلیٰ حضرت کی شخصیت کو جدید انداز میں اجاگر کرنے میں بہت بڑا کردار میرے استاد پروفیسر ڈاکٹر مولانا محمد مسعود احمد صاحب کا ہے---اور کیوں نہ ہو--؟ جو رب جلیل ماہ کنعاں کو چاہ کنعان سے طلوع کر سکتا ہے وہ فاضل بریلوی کو بھلا ایسی علم و فضل کیسے غروب ہونے دیتا-- کیوں کہ ؎

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

وہ واقعتاً نادر روزگار تھے۔ نابغۂ عصر تھے۔ علم کلام کے فاضل اجل فقہ حنفی میں اس صدی کے امام ابو حنیفہ ثانی (ملاحظہ ہوں: قول منقول از ڈاکٹر عابد علی، لاہور، یکم اگست ۱۹۶۱ء بحوالہ تنقیدات و تعاقبات از مولانا محمد مسعود احمد صاحب ص ۲۶، فٹ نوٹ) فقہ حنفی میں ان کے تبحر کے مولانا ابو الحسن علی ندوی بھی قائل ہیں (ملاحظہ ہوں: ابوالحسن ندوی، نزہۃ الخواطر، ج ۸ ص ۱۴۱)۔ دوسری طرف ڈاکٹر سر ضیاء الدین احمد ریاضی میں ان کی مہارت پر انگشت بدنداں ہیں (ملاحظہ فرمائیں: عبقری الشرق مولانا احمد رضا خاں بریلوی از استاذی پروفیسر محمد مسعود احمد صاحب ص ۱۷) بقول پیر طریقت پروفیسر ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خاں صاحب نقشبندی۔

وہ کون سا علم ہے جو انہیں نہیں آتا تھا؟ وہ کون سا فن ہے جس سے وہ واقف نہ تھے---(بحوالہ اعلیٰ حضرت کی نعتیہ شاعری ص ۶)۔ ضرورت ہے کہ ان کی جملہ کتابوں کو جدید انداز سے مدون کر کے پیش کیا جائے تاکہ عالم اسلام کو کم از کم اس نادر روزگار شخصیت کی عبقریت کا کماحقہ، اوراک تو ہو سکے---

اللہ عظیم و جلیل ان کی قبر کو نور سے منور کرے، بلبل باغِ جناں ان کے مزار پر ہمیشہ نغمہ سرائی کرے، نسیم چمن باغ جنت کی نوید لائے۔ شمیم جانفزا جنت الفردوس کی خوشبو بن کر عالم پر چھا جائے---اور ہمیں سلف صالحین کاملین کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے---

آمین---ثم آمین

❀❀❀❀❀

فاضل بریلوی اور علماءِ مرداد

(مکہ مکرمہ)

(چوتھی اور آخری قسط)

تحقیق، محمد بہاء الدین شاہ ★

نظم الدرر فی اختصار نشر النور والزھر :-

نشر النور کا پہلا اختصار مکہ مکرمہ کے ایک عالم و مؤرخ شیخ عبداللہ غازی نے "نظم الدرر فی اختصار نشر النور و الزھر" کے نام سے تنہا تیار کیا تھا (۱۰۳) جس پر مکہ مکرمہ و حجاز کے علمی حلقے نیز مذکورہ بالا کمیٹی کے اراکین بخوبی آگاہ تھے لیکن انہوں نے اس کی اشاعت کے بجائے سالہا سال کی "محنت" سے محمد سعید عامودی و احمد علی سے اس اہم کتاب کا دوسرا اختصار تیار کرا کے اسے شائع کیا۔

نشر الدرر فی تذییل الدرر :-

شیخ عبداللہ غازی نے ایک اور کتاب "نشر الدرر فی تذییل الدرر" کے نام سے تصنیف کی جس میں ان علماء مکہ مکرمہ کے حالات درج کئے جو شیخ عبداللہ مرداد کی کتاب میں شامل ہونے سے رہ گئے تھے۔ محمد علی مغربی نشر الدرر کے مخطوط کے مطالعہ کے بعد لکھتے ہیں کہ شیخ عبداللہ غازی نے اس کتاب میں زیادہ تر تیرہویں و چودھویں صدی ہجری نیز ہم عصر علماء مکہ مکرمہ کے حالات قلم بند کئے ہیں۔ (۱۰۴)

نشر النور کا اصل مخطوط مفقود الخبر قرار دیا جا چکا ہے اور اس کا دوسرا کوئی قلمی نسخہ ابھی تک دریافت نہیں ہوا۔ نظم الدرر اور نشر الدرر بلکہ شیخ عبداللہ غازی کی جملہ تصانیف ابھی تک شائع نہیں ہوئیں اور ان کے مخطوطات یا ان کی فوٹو اسٹیٹ کاپی، شیخ عبدالوہاب دہلوی، شیخ محمد حسین نصیف، محمد علی مغربی اور ڈاکٹر عبدالوہاب ابو سلیمان کے ذاتی کتب خانوں میں موجود ہیں۔

علامہ عبداللہ بن محمد غازی مکی (م ۱۳۶۵ھ) :

نظم الدرر اور نشر الدرر کے مصنف شیخ عبداللہ غازی کے والدین ہندوستان سے ہجرت کر کے مکہ مکرمہ جا بسے جہاں ۱۲۹۱ھ میں ان کی ولادت ہوئی (۱۰۵) جبکہ دوسرے قول کے مطابق آپ ہندوستان میں پیدا ہوئے اور جب آپ کے والدین مکہ مکرمہ پہنچے تو شیخ عبداللہ کی عمر سات برس تھی۔ قرآن مجید حفظ کیا اور مسجد الحرام میں نماز تراویح پڑھائی جبکہ آپ کی عمر بارہ برس تھی۔ پھر مدرسہ صولتیہ میں داخلہ لیا جہاں شیخ عبدالسبحان بن شیخ خادم علی (۱۰۶)، شیخ حضرت نور افغانی (۱۰۷)، شیخ تفضل الحق خیاط مرشد آبادی (۱۰۸) اور مولانا محمد رحمت اللہ کیرانوی سے پڑھا (۱۰۹)۔ حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ علیہ کے دست اقدس پر بیعت کی۔ شیخ عبداللہ غازی نے مکہ مکرمہ حاضر ہونے والے عالم اسلام کے متعدد اکابر علماء و مشائخ سے علوم اخذ کئے، الدلیل المشیر میں آپ کے تیس سے زائد اساتذہ و مشائخ کے نام دیئے گئے ہیں ان میں محدث شام سید محمد بدر الدین حسنی دمشقی (۱۱۰)، سید بہاء الدین بن علامہ سید داؤد نقشبندی بغدادی، شیخ عبدالحق الہ آبادی مہاجر مکی (۱۱۱)، علامہ سید محمد عبدالحئی کتانی (۱۱۲)، شیخ عمر حمدان (۱۱۳) اور علامہ محمد بن عبدالرحمٰن سہارنپوری شامل ہیں۔ شیخ عبداللہ غازی نے انتہائی سادہ زندگی بسر کی اور عمر بھر تصنیف و تالیف سے وابستہ

★ (ناظم، بہاء الدین ذکریا لائبریری، چکوال)

رہے۔ شیخ عبداللہ غازی نے ۵ شعبان ۱۳۶۵ھ کو وفات پائی اور شیخ ابی بکر بن سالم البار (۱۱۴) نے حرم مکی میں آپ کی نماز جنازہ پڑھائی۔ (۱۱۵)

نشر النور والذھر پر ایک نظر :-

کتاب کا مکمل نام جو مصنف نے مقدمہ میں لکھا وہ یہ ہے "نشر النور و الزهر فی تراجم افاضل مكة من القرن العاشر الی القرن الرابع عشر" اور دوسرا نام "الدر الفاخر المكنون فی تراجم افاضل الخمس القرون" تاہم کتاب پہلے نام سے معروف ہوئی۔ فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ کے خلیفہ شیخ عبداللہ مرداد علیہ الرحمہ کی یہ عظیم تصنیف متعدد وجوہات کی بنا پر بڑی اہمیت کی حامل ہے، جن میں سے چھ یہ ہیں :

(۱) اس کی سب سے بڑی اہمیت تو یہی ہے جو سابقہ سطور میں آچکی کہ یہ چودہ صدیوں میں علماء مکہ مکرمہ کے حالات پر لکھی گئی تمام کتب میں علامہ فاسی کی العقد الثمین کے بعد دوسری اہم کتاب ہے۔

(۲) ماضی میں پاک و ہند اور بنگلہ دیش سے جو علماء و مشائخ ہجرت کر کے مکہ مکرمہ جا بسے ہمارے یہاں بر صغیر میں لکھی گئی کتب میں ان کے حالات بہت ہی کم یا سرے سے موجود ہی نہیں۔ شیخ عبداللہ مرداد نے ان علماء کے حالات نہ صرف حجاز کے باشندوں سے جمع کئے نیز اس کے لئے عرب دنیا میں لکھی گئی کتب مطبوعہ و غیر مطبوعہ کھنگالا بلکہ بر صغیر میں اس موضوع پر لکھی گئی دو کتب غلام آزاد بلگرامی کی "سبحة المرجان فی آثار ہندستان" اور مولانا عبدالحئی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) کی "الفوائد البهيه فی تراجم الحنفيه" سے بھی استفادہ کیا۔ نشر النور کے مطبوعہ اختصار میں ایسے متعدد علماء کے حالات درج ہیں جو بر صغیر سے ہجرت کر کے گئے۔

(۳) اس کتاب میں "رسالہ فی الطریقة النقشبندیہ" کے مصنف شیخ محمود شکری حنفی نقشبندی المعروف بہ کتب خانہ (۱۲۳۳ھ ..... ۱۳۰۴ھ) نیز "رسالہ فی دفع المطاعن عن الشیخ احمد فاروقی سرہندی نقشبندی و مریدیہ" کے مصنف شیخ عبداللہ عتاقی زادہ (پ ۱۰۴۵ھ) کے حالات درج ہیں۔

(۴) فاضل بریلوی کے عرب اساتذہ کے حالات زندگی اس سے قبل دستیاب نہیں ہو رہے تھے اس کتاب میں آپ کے دو اساتذہ علامہ سید حسین بن صالح جمل اللیل شافعی (م ۱۳۰۵ھ) اور شیخ عبدالرحمن سراج حنفی کے حالات موجود ہیں۔

(۵) پاک و ہند میں قائم علمی ادارے اور عالمی یونیورسٹیوں میں "رضویات" پر کام کرنے والے محققین فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عرب خلفاء کے احوال و آثار کے متلاشی تھے، اس کے صفحات پر آپ کے حسب ذیل سات خلفاء کے حالات ہیں :

☆ ...... شیخ احمد حضراوی (۱۲۵۲ھ ..... ۱۳۲۷ھ)
☆ ...... شیخ اسعد دھان (م ۱۳۳۸ھ)
☆ ...... شیخ جمال بن محمد الامیر بن حسین مالکی (۱۲۸۵ھ ۱۳۴۹ھ)
☆ ...... شیخ صالح کمال حنفی (۱۲۶۳ھ ..... ۱۳۳۲ھ)
☆ ...... شیخ عبدالرحمن دھان (۱۲۸۳ھ ..... ۱۳۳۷ھ)
☆ ...... شیخ سید عبداللہ دحلان (۱۲۸۸ھ ..... ۱۳۶۳ھ)
☆ ...... شیخ ابو حسین محمد مرزوقی (۱۲۸۴ھ ..... ۱۳۶۵ھ)

(۶) اس کتاب نے جن ہاتھوں سے گزر کر طباعت کے مراحل طے کئے اس بنا پر مطبوعہ نسخہ میں مصنف کے مرشد فاضل بریلوی کا کسی بھی حوالے سے تفصیلی ذکر نہ ہونا تعجب کی بات نہیں۔ لیکن اس کے باوجود اس میں ایک مقام پر صرف ایک سطر میں آپ کا ذکر آ گیا ہے۔ جس سے مصنف اور فاضل بریلوی کے درمیان تعلق اور اس کی نوعیت بخوبی عیاں ہے، شیخ عبداللہ ابو الخیر مرداد لکھتے ہیں :

"شیخنا العلامه احمد رضا خاں بریلوی"

یعنی ہمارے شیخ علامہ احمد رضا خاں بریلوی (۱۱۶) رحمہم اللہ تعالیٰ

حوالے وحواشی

(۱۰۳) اعلام الحجاز، ج ۴ ص ۹۸، الدلیل المشیر ص ۲۲۲۔

(۱۰۴) ایضاً۔

(۱۰۵) الدلیل المشیر، ابی بکر حبشی علوی (م ۱۳۷۴ھ)، مکتبہ المکیہ مکہ مکرمہ، طبع اول ۱۴۱۸ھ / ۱۹۹۷ء، ص ۲۱۷ نیز اعلام الحجاز، ج ۴ ص ۸۹۔

(۱۰۶) مولانا غلام دستگیر قصوری کی "تقدیس الوکیل" پر مولانا عبدالسبحان مدرس دوم مدرسہ صولتیہ کی تصدیق موجود ہے۔

(۱۰۷) مولانا حضرت نور افغانی تقریباً ۱۲۵۰ھ کو اپنے آبائی وطن میں پیدا ہوئے اور ۱۲۹۱ھ میں مکہ مکرمہ ہجرت کر گئے جہاں مولانا رحمت اللہ کیرانوی سے متعدد علوم حاصل کئے۔ بعد ازاں مدرسہ صولتیہ و مسجد الحرام میں مدرس رہے ۱۳۲۱ھ میں وفات پائی۔ (نشر النور، ص ۵۰۳-۵۰۴)

(۱۰۸) سیر وتراجم، ص ۲۰۲۔

(۱۰۹) ماہنامہ المنہل جدہ شمارہ دسمبر ۸۸ء جنوری ۱۹۸۹ء، ص ۱۶۵

(۱۱۰) محدث شام سید محمد بدرالدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۶۷ھ - ۱۳۵۴ھ) سے خلق کثیر فیض یاب ہوئی۔ مولانا ضیاء الدین مہاجر مدنی رحمۃ اللہ علیہ آپ کے تلامذہ میں شامل ہیں۔ علماء دیوبند کے سرخیل مولوی رشید احمد گنگوھی و مولوی خلیل احمد انبیٹھوی نے محافل میلاد وقیام کو فعل ہنود مثل کنھیا کے جنم دن وغیرہ سے تشبیہ دی جس کی تفصیل "براہین قاطعہ" میں درج ہے۔ ۱۳۲۹ھ میں مدینہ منورہ میں مقیم ہندوستان کے دو علماء مولانا احمد علی قادری رامپوری و مولانا محمد کریم اللہ پنجابی نے قول گنگوھی کا عربی ترجمہ کر کے استفتاء کی صورت میں دمشق شام میں محدث سید محمد بدرالدین حسنی کی خدمت میں بھیجا۔ آپ نے اس کے مفصل جواب کے لئے اپنے شاگرد خاص علامہ محمود آفندی عطار رحمۃ اللہ کو حکم دیا۔ علامہ عطار نے قول گنگوھی کا مفصل رد لکھا جو "استحباب القیام عند ذکر ولادتہ علیہ الصلوٰۃ والسلام" کے عنوان سے دمشق کے ماہنامہ "الحقائق" شمارہ محرم ۱۳۳۰ھ میں شائع ہوا۔

فاضل بریلوی کی کتاب "الدولۃ المکیہ" پر محدث شام کے فرزند علامہ سید تاج الدین دمشقی رحمۃ اللہ علیہ نے تقریظ لکھی تھی جو ہنوز طبع نہیں ہوئی۔ محدث شام اور ان کے جلیل القدر فرزند کا ذکر خیر مولانا شہاب الدین رضوی ایڈیٹر ماہنامہ "سنی دنیا" بریلی کی کتاب "علماء عرب کے خطوط فاضل بریلوی کے نام" ناشر رضا اکیڈمی ممبئی طبع اول ۱۹۹۶ء میں موجود ہے۔ عربی میں محدث شام کے مفصل حالات کے لئے حسب ذیل دو کتب ملاحظہ ہوں:

شیخ محمد بدرالدین حسنی کما عرفتہ، تالیف شیخ محمد صالح فرفور دمشقی، دار الامام ابی حنیفہ دمشق طبع اول ۱۹۸۶ء۔

...... محدث الشام العلامہ السید بدر الدین حسنی، شیخ محمد عبداللہ الرشید، مکتبہ الامام الشافعی الریاض، طبع اول ۱۴۱۹ھ / ۱۹۹۸ء۔

(۱۱۱) فاضل بریلوی اور مولانا عبدالحق الہ آبادی کے درمیان مکہ مکرمہ میں متعدد ملاقاتیں ہوئیں۔ حسام الحرمین پر آپ کی تقریظ موجود ہے۔

(۱۱۲) علامہ سید محمد عبدالحئی کتانی مراکشی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۳ھ - ۱۳۸۲ھ) وہ پہلے عرب عالم ہیں جنہیں فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ نے خلافت عطا فرمائی۔ آپ نے متعدد موضوعات پر کتب تصنیف کیں ان میں "فہرس الفہارس" کو عالمگیر پذیرائی ملی۔ (الدلیل المشیر، ص ۱۴۸-۱۷۵)

(۱۱۳) شیخ عمر حمدان محرسی تیونسی رحمۃ اللہ علیہ (۱۲۹۱ھ، ۱۳۶۸ھ) "محدث الحرمین" کے لقب سے مشہور ہیں۔ الدولۃ المکیہ، حسام الحرمین پر تقاریظ لکھیں۔ شیخ عمر حمدان، فاضل بریلوی کے خلیفہ ہیں۔ الدلیل المشیر، سیر وتراجم اور اعلام من ارض النبوۃ جلد اول میں آپ کے حالات درج ہیں۔ نیز آپ کی علمی اسناد پر شیخ ابی الفیض فادانی نے کتاب "اتحاف الاخوان باختصار مطمع الوجدان فی اسانید الشیخ عمر حمدان" مرتب کی جس کا پہلا ایڈیشن ۱۳۷۱ھ میں قاہرہ سے اور دوسرا ۱۴۰۷ھ میں دمشق سے شائع ہوا۔

(۱۱۴) سید ابو بکر بن سالم البار حضرمی رحمۃ اللہ علیہ (۱۳۰۱ھ - ۱۳۸۴ھ) اور آپ کے والد سید سالم بن عیدروس البار علوی حضرمی رحمۃ اللہ دونوں فاضل بریلوی کے خلفاء میں سے ہیں۔ اول الذکر کے حالات الدلیل المشیر، سیر و تراجم اور اھل الحجاز بعبقھم التاریخی میں دیئے گئے ہیں۔

(۱۱۵) الدلیل المشیر، ص ۲۲۳۔

(۱۱۶) نشر النور، ص ۴۰۳۔

مرتبہ: ڈاکٹر مجید اللہ قادری

کلیاتِ شمس

"مثنوی آفتاب افکار رضا"

از: حضرت علامہ شمس بریلوی

تیسری قسط

فتاویٰ رضویہ کے چند اہم امتیازات :-

فتاویٰ رضویہ ۱۲ ضخیم جلدوں پر مشتمل ہے جو جہازی سائز کے (۶) چھ ہزار سے زیادہ صفحات پر مشتمل ہے۔ فرد واحد کا اتنا ضخیم مجموعہ خال خال تاریخ میں ملتا ہے۔ اس فتاویٰ میں ۴ زبانوں یعنی اردو، انگریزی، فارسی اور عربی میں جوابات تحریر کئے گئے ہیں جبکہ ہندی زبان کا استعمال عام ہے جبکہ ادبی نقطہ نظر سے استفتاء کا جواب چھ طریقوں سے دیا گیا ہے یعنی عربی نثر و نظم، فارسی نثر و نظم اور اسی طرح اردو نثر اور نظم فتاویٰ رضویہ میں ۱۲۵/ تحقیقی رسائل عربی، فارسی اور اردو زبان میں تحریر کئے گئے ہیں جبکہ ۶۰۰۰/ سے زیادہ فتاویٰ اس میں شامل ہیں۔ ضمنی مسائل کی تعداد بھی ہزاروں پر مشتمل ہے۔ ہر رسالہ کے لئے الگ خطبہ لکھا ہے جس کی خصوصیت یہ ہوتی کہ جس موضوع پر رسالہ ہے اس علم کی مناسبت سے آپ الفاظ اور اصطلاحات استعمال کرتے ہیں جس سے پڑھنے والے کو ایک الگ لطف آتا ہے۔ اگر ان تمام خطبات کو جمع کیا جائے تو ایک الگ کتاب مرتب ہو سکتی ہے۔ آیئے اب علامہ شمس الحسن شمس بریلوی قدس سرہ العزیز کے رشحات قلم کی جولانیاں دیکھیں جس میں انہوں نے فتاویٰ رضویہ اور دیگر علوم و فنون پر منظوم تبصرہ پیش کیا ہے۔

فتاویٰ رضویہ اور امام احمد رضا

ان کا علم و فضل اور ژرف نظر
تھا رہینِ رحمتِ خیر البشر

جس کو کہتے ہیں فتاویٰ رضویہ
ہے حقیقت میں عطائے نبویہ

ہیں عطایائے نبی تو بے شمار
یہ فتاویٰ ان میں ہیں عالی وقار

بارہ جلدوں میں فتاویٰ بے مثال
ہے فقہ میں یادگارِ لازوال

اس کی ہر اک جلد اے مردِ فہیم
آٹھ، نو صد صفحات تک ہے وہ ضخیم

اس کا خطبہ تو بس اک اعجاز ہے
فقہ کی دنیا میں وہ ممتاز ہے

خطبے سے ہوتا ہے آغاز کتاب
ذکر اس کا پہلے کرتا ہوں جناب

اولاً کلکِ رضائے خوش بیاں
ہے ثنائے احدیت میں تر زباں

بعد حمدِ رب ہے نعتِ مصطفیٰ
اور پھر تعریف اصحاب وِلا

بن گیا پھر مرکز پر کارِ فکر
مجتہدینِ مذہبِ اربعہ کا ذکر

بو حنیفہ ، مالک ، احمد ، شافعی فقہ کے چارو ائمہ ہیں یہی
ہیں باندازِ حسیں مدحت طراز ان کا انداز بیاں ہے دلنواز
یہ مناقب ، نعت اور حمدِ خدا ہے بیاں سب کا بیک طرفہ ادا
صنعتِ ایہام کی نکتہ رسی پورے خطبے میں ہے جلوہ گر وہی
اس میں پہلا لفظ موضوع کا نقیب ہوتا ہے اپنی جگہ بیشک عجیب
فقہ کی جتنی کتب ہیں معتبر کسب منقبت لائے ہیں وہ سر بسر
ان میں سے ہر اک کتاب مستطاب بن گئی ہے ان مناقب کا نقاب
اس طرح نوے (۹۰) کتب ہائے انیق ہو گئی مدحت طرازی میں رفیق
رکھتے ہیں جملہ کتابوں کے یہ نام حمد، نعت و منقبت سے التیام
فقہ کیا کوئی ادب کی بھی کتاب پیش کر سکتی نہیں اس کا جواب
اور میں کہتاہوں بے خوف و خطر تھی فقہ پر اس قدر گہری نظر
آپ پاسکتے نہیں اس کی مثال ہے یہ اللہ کا کارنامہ لازوال
اس کی ہے تقلید بھی بیحد عسیر آج تک پائی نہیں اس کی نظیر
ہے مقاماتِ حریری، یاں زبوں ہو گیا باطل بلاغت کا فسوں
مات طغریٰ کے رسائل کو ہوا گنگ یاں وصاف بھی تو ہو گیا
اب فتاویٰ کے ہیں اوصاف دِگر لارہا ہوں آپ کے پیش نظر
بارہ جلدوں پر فتاویٰ کا شمول ہے اسے حاصل عجب حسن قبول
جلد اول اور دوم میں بے حساب ہیں طہارت کے مسائل اور جواب
جلد اول اور دوم میں گونا گوں ہیں رسائل سیزدہ اس میں فزوں
اک رسالہ رقّت و سیلان پر ہے خواص آب اور جریان پر
کی ہے اس موضوع پر بحثِ طویل داد دیتی ہے ہر اک فکر نبیل
ہے تیمم ایک موضوعِ دقیق ہے بہت بابِ طہارت میں انیق
کر دیا فکر رضا نے بس رقم اک رسالہ بے شبہہ جو ہے اہم
یک صد و ہشتاد و یک جنس صعید جن سے جائز ہے تیمم اے رشید
کر دیا حسن تعمم میں عیاں بادلیل و استناد ان کو بیاں
ہے بجا حسن تعمم ، اس کا نام ہے وضاحت میں سند کا التزام
"عجزما" پر اک رسالہ بے مثال بالیقین فکر رضا کا ہے کمال
"عجزما" کی بس تمامی صورتیں اس رسالے میں بجا مذکور ہیں

ہیں رسائل اور بر نہجِ حسن ‌ ‌ آشکار ان کی ہے فکر و فطن
الغرض بابِ طہارت کا کمال ‌ ‌ ہو سکے ظاہر ، ہے اک امرِ محال
اور موضوعات، فقہ کے دقیق ‌ ‌ دوسری جلدوں میں ہیں بیحد انیق
ان میں ہیں ایسے مسائل بے حساب ‌ ‌ ہیں بہت حیرت افزا جنکے جواب
ایک قِرطاس دراہم کا سوال ‌ ‌ بحث اس پر ہے حقیقت میں کمال
نوٹ کی بیع فقہ میں واضح نہیں ‌ ‌ اس کا جزیہ بھی نہیں ملتا کہیں
یہ رسالہ مبنی بر تفصیل ہے ‌ ‌ حیرت آگیں اس کی ہر تعلیل ہے
با دلائل ، نوٹ کی بیع کا جواز ‌ ‌ کردیا ثابت بہ فکرِ حقِ طراز
لائے وہ اسلاف سے اس کی دلیل ‌ ‌ ہو گئی مسدود، ہر راہ و سبیل
ہے کمال علم بس اس کا جواب ‌ ‌ بر سبیلِ صدق و از راہ صواب
ہیں دلائل ان کے سارے مستند ‌ ‌ اور مآخذ بھی تمامی معتمد
تھے فقیہان عرب حیرت نگر ‌ ‌ تھے جواز بیع سے بالکل بے خبر
آبِ مستعمل پہ تحقیق انیق ‌ ‌ اک مرقّع ہے فقہ کا اے لئیق
ہے مفصل اتنی بحث لاجواب ‌ ‌ ہو گئی اوسط ضخامت کی کتاب
جب "اقول" کہہ کے لاتے ہیں خلاف ‌ ‌ دیتے ہیں اس کو تطفُّل کا غلاف
جس جگہ حسن ادب مستور ہے ‌ ‌ یہ تطفُّل اس جگہ مذکور ہے
کثرت استدلال کی ، حیرت فزا ‌ ‌ بس جوابِ مسئلہ میں دیکھیں ذرا
فقہ کے جتنے ہیں آثار وقیع ‌ ‌ ہیں بلا شک شاہدِ حالِ رفیع
ہے فتاویٰ بالیقین بحرِ کمال ‌ ‌ جامعیت میں یقیناً بے مثال
فقہ کا موجود ہے ہر ایک باب ‌ ‌ اصطلاحاً جس کو کہتے ہیں کتاب
دیکھئے ہر باب باثرف نظر ‌ ‌ آپ پائیں گے اسے حیرتِ اثر
چھپ چکے ہیں بارہ حصے بار بار ‌ ‌ ہے تعالیٰ اللہ !! فضلِ کردگار
اس گرانمایہ فتاویٰ کے سوا ‌ ‌ فقہ میں جملہ تصانیف رضا
یکصد و پنجاہ سے بھی ہیں فزوں ‌ ‌ شامل ان میں ہیں حواشی اور متوں
نو کتابیں ، فارسی جن کی زباں ‌ ‌ یا وہ تازی میں ہیں بس شایان شاں
باقی ہیں سب نازش اردو زباں ‌ ‌ ہے تفقہ جن سے حضرت کا عیاں
ایک سو بتیس رسالے لاجواب ‌ ‌ ہیں فقہ میں یادگار آں جناب
ذکر ان کا یاں بہت دشوار ہے ‌ ‌ دفتر اک توضیح کو درکار ہے

﴿باقی آئندہ﴾

(پہلی قسط)

سفر نامۂ قاہرہ

تحریر: سید وجاہت رسول قادری

شہر علم قاہرہ اور مرکز علوم اسلامیہ جامعۃ الازھر الشریف سے ہمارا پہلا رابطہ اس وقت ہوا جب استاذ محقق سید حازم محمد المحفوظ، استاذ کلیۃ اللغات والترجمہ، جامعہ ازھر شریف ۱۹۹۵ء میں بحیثیت استاذ زائر (Visiting Proffessor) شعبۂ لغت عربی، پنجاب یونیورسٹی، لاہور تشریف لائے اس سے قبل وہ محترم پروفیسر ڈاکٹر محمد مبارز ملک، استاذ شعبۂ لغت عربی پنجاب یونیورسٹی کی معرفت امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کی شخصیت اور خصوصاً ان کی عربی شاعری سے واقف ہو چکے تھے یہ ۱۹۸۹ء کی بات ہے جب ڈاکٹر ملک صاحب ''استاذ زائر'' لغت اردو کی حیثیت سے جامعہ ازھر شریف قاھرہ، تشریف لے گئے تھے۔انہوں نے استاذ حازم صاحب کو اعلیٰ حضرت کی کچھ کتب اور چند عربی اشعار پیش کئے تھے۔امام احمد رضا کی علمی گہرائی وگیرائی اور ان کے عربی اشعار کی فصاحت وبلاغت اور سلاست وروانی ملاحظہ فرماکر محترم حازم صاحب بہت متاثر ہوئے تھے۔ان کا خیال تھا کہ اردو دیوان کی طرح امام احمد رضا کا عربی دیوان بھی پاک وہند میں کہیں ضرور مطبوعہ یا غیر مطبوعہ محفوظ ہوگا لیکن جب لاہور آمد پر تحقیق کی تو ان کو پتہ چلا کہ عربی کا دیوان مرتب ہی نہیں ہوا۔انہوں نے اسی وقت یہ طے کیا کہ وہ خود اس عظیم فصیح و بلیغ عربی شاعر کا دیوان خود مترتب کریں گے۔اس ارادے سے انہوں نے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں حضرت علامہ مولانا مفتی عبدالقیوم ہزاروی مدظلہ العالی اور حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری حفظہ اللہ تعالیٰ سے ملاقاتیں کیں اور آخر کار کچھ ماہ مسلسل شب و روز کی جدوجہد کے بعد ''بساتین الغفران'' کے نام سے اسے مرتب کیا۔اس کی تدوین و ترتیب کے سلسلے میں جناب حازم صاحب نے کراچی حضرت علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب قبلہ اور اس فقیر سے حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ کی معرفت رابطہ کیا اور مواد کی فراہمی کی استدعا کی۔الحمدللہ فاضل نوجوان شیخ حازم الازھری صاحب کی کاوشیں رنگ لائیں اور امام احمد رضا علیہ الرحمۃ والرضوان کا یہ عربی دیوان ''بساتین الغفران'' کے نام سے مذکورہ بالا تمام حضرات گرامی کے تعاون سے مرتب ہوکر ۱۹۹۷ء / ۱۴۱۸ھ میں زیور طبع سے آراستہ ہوا۔اس کی طباعت میں ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا (پاکستان) کراچی، رضا اکیڈمی لاہور اور مکتبہ قادریہ لاہور نے خصوصی تعاون کیا۔شیخ حازم صاحب زید عنایتہ نے امام احمد رضا کی حیات اور ان کے کارناموں اور خصوصاً ان کی عربی نعتیہ شاعری کی خصوصیات کے حوالے سے ایک

بسیط مقالہ تحریر کیا جسے ''بساتین الغفران'' کا مقدمہ سمجھئے اس کے علاوہ علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب مدظلہ کی ایک پر مغز تقریظ اور مرتب یعنی شیخ حازم حفظ اللہ تعالیٰ کے حالات زندگی اور اس دیوان کے مرتب کرنے میں ان کاوشوں پر مبنی ایک مضمون بھی دیوان کی ابتداء میں شامل ہے۔

اس دوران شیخ حازم حفظ اللہ تعالیٰ واپس قاہرہ چلے گئے۔ علامہ عبدالحکیم شرف قادری مدظلہ نے اور اس فقیر نے بساتین غفران کے ۲۰، ۲۰ نسخے بھیجوادئے، جس کے ملاحظہ سے موصوف بہت مسرور ہوئے اور مزید نسخے بھی منگوائے۔ محترم حازم صاحب زید مجدہ نے ایک اہم کام یہ کیا کہ انہوں نے ''بساتین الغفران'' کے حوالے سے جامعہ ازہر شریف اور جامعہ عین شمس کے متعدد اساتذہ علماء ادباء اور شعراء سے امام احمد رضا کی شخصیت اور خصوصاً عربی نعتیہ شاعری کے حوالے سے مقالات اور تاثرات تحریر کروائے اور خود بھی متعدد مضمون لکھے اور وہاں کے اخبارات ورسائل میں مضامین شائع کروائے۔ ان سب امور کی اطلاع وہ وقتاً فوقتاً محترم علامہ ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ العالی اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری دامت برکاتہم کو دیتے رہے۔ حضرت ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب مدظلہ اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب نے یہ مشورہ دیا کہ فاضل نوجوان استاذ السید حازم محمد احمد المحفوظ کو امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی عربی شاعری کے حوالے سے عظیم کارنامہ انجام دینے پر ان کو امام احمد کانفرنس ۱۹۹۸ء میں بحیثیت مہمان مقالہ نگار مدعو کیا جائے۔ اس طرح ہمارے لئے مصر کی جامعات خصوصاً جامعہ ازہر شریف میں تعارف و تحقیق کی راہ ہموار ہوگی۔ چنانچہ استاذ حازم صاحب زید مجدہ ہماری دعوت پر امام احمد رضا کانفرنس کراچی تشریف لائے اور انہوں نے امام احمد رضا علیہ الرحمۃ کی عربی نعتیہ شاعری کے حوالے سے نہایت پرمغز مقالہ پڑھا۔ اسی دوران علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب کے صاحبزادہ مولانا ممتاز احمد سدیدی صاحب حفظہ اللہ تعالیٰ اسلامی بین الاقوامی یونیورسٹی اسلام آباد سے عربی ادب میں ایم۔اے کرنے کے بعد جامعہ ازہر شریف میں داخلہ لے چکے تھے اس طرح ان کے ذریعہ بھی وہاں کے علماء اور اساتذہ کرام سے رابطے کی راہیں نکلیں۔ محترم سدیدی صاحب نے جامعہ ازہر سے نہایت امتیازی نمبروں کے ساتھ ۱۹۹۹ء میں ام۔فل میں کامیابی حاصل کی۔ ان کے ام۔فل کے مقالہ کا عنوان تھا ''احمد رضا شاعراً عربیاً'' استاذ حازم محمد احمد المحفوظ صاحب نے مولانا ممتاز احمد سدیدی الازہری کے ساتھ ہر طرح سے تعاون کیا، اسی طرح ان کے تمام اساتذہ کرام نے خاص طور سے ان کے نگران ڈکتور رزق مرسی ابوالعباس حفظہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ غایت درجہ شفقت و محبت کا سلوک کیا، ہر طرح کا مواد فراہم کیا اور صحیح سمت رہنمائی کے ساتھ ساتھ برابر ان کی نگرانی کی۔

مولانا ممتاز احمد سدیدی صاحب زیدہ مجدہ سے قبل مولانا مشتاق احمد شاہ ازہری مدظلہ (سرگودھا) استاذ جامعہ غوثیہ بھیرہ شریف بھی اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کی فقاہت کے حوالے سے جامعہ ازہر سے ام۔فل کی سند حاصل کر چکے تھے (۱۹۹۶ء) لیکن انہوں نے وہاں بہت سخت وقت گزارا۔ مقالہ کا خاکہ جمع کرنے سے لیکر مقالے کی تیاری اور پھر آخر میں مناقشہ (VIAVA) کے مرحلے تک

انہیں قاھرہ خصوصاً جامعہ ازھر شریف میں پڑھنے والے برصغیر پاک و ھند سے تعلق رکھنے والے دیوبندیوں اور وہابیوں کی مسلسل سازش اور سخت مخالفت کا سامنا رہا لیکن بحمد للہ انھوں نے نہایت پامردی اور استقامت کے ساتھ اپنے مقالے میں ان کے جھوٹے الزامات کا مدلل اور مثبت انداز میں جواب دیا، جس سے مخالفین نہ صرف جامدو ساکت ہو گئے بلکہ ان دلائل اور جوابات کو پڑھنے اور سننے کے بعد شاہ صاحب کے نگران (مشرف) اور مناقشہ کے (Viava) دیگر اساتذہ کرام نے نہ صرف یہ کہ شاہ صاحب کے مقالے اور امام احمد رضا کی شخصیت اور ان کے فقہی اور ملی کارناموں کی تعریف کی بلکہ مخالفین کو سرزنش بھی کی کہ تحقیق کے میدان میں دلائل و براھین کی اہمیت ہے، جبر اور دھشت گردی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ الحمد للہ حق فتحیاب ہوا اور باطل (مخالفین) خائب و خاسر ہوئے۔

ان تینوں حضرات یعنی استاذ السید حازم محمد احمد المحفوظ، مولانا مشتاق احمد شاہ اور مولانا ممتاز احمد سدیدی حفظہم اللہ تعالیٰ ما عی نے جامعہ ازھر شریف میں ایک سازگار ماحول بنانے میں اہم کارنامہ انجام دیا ہے اب ضرورت اس بات کی تھی کہ مصر کے علماء اور اساتذہ سے بالمشافہ ملاقاتیں کی جائیں خاص طور سے ان علماء کرام اور اساتذہ انام سے جنھوں نے امام احمد رضا کے علمی کارناموں کا مطالعہ کیا، انکے افکار کو سمجھا اور ان کی علمی اور روحانی خدمات کو سراہا۔ پھر جب یہ تعلقات استوار ہو جائیں تو وہاں کی جامعات کے اساتذہ کرام اور علماء مصر کے وفود سے تبادلے کئے جائیں اور اس طرح دونوں ملکوں میں اہل سنت کے عقائد و مسلک اور جدید فقہی مسائل کے حوالے سے جو تصنیفی اور تحقیقی کام ہو رہا ہے اس کی عربی اور اردو زبانوں میں اور ممکن ہو سکے تو انگریزی میں بھی ترجمے ہوں اور اس کی ایک دوسرے کے ملک میں نشر و اشاعت کی جائے۔

چنانچہ احباب اور بزرگوں، خاص طور سے محترم علامہ پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعو احمد صاحب، حضرت علامہ عبدالحکیم شرف قادری صاحب، ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا کے جنرل سکریٹری جناب پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری صاحب اور جزبۂ خدمت اسلام سے سرشار صالح جوان حاجی محمد رفیق برکاتی صاحب حفظہم اللہ تعالیٰ سے مشوروں کے بعد طے ہوا کہ ناچیز فقیر اور علامہ عبدالحکیم شرف قادری زید مجدہ پر مشتمل ایک دو رکنی وفد ابتداً قاھرہ کا دورہ کرے۔ چنانچہ ۲ر ستمبر ۱۹۹۹ء کو اس پروگرام کو حتمی شکل دینے کیلئے صبح ۱۱ر بجے دارالعلوم امجدیہ میں ایک میٹنگ ہوئی جس میں فقیر کے علاوہ مندرجہ ذیل حضرات شریک ہوئے۔

1- علامہ مفتی ظفر علی نعمانی

2- علامہ شاہ تراب الحق قادری

3- پروفیسر ڈاکٹر مجید اللہ قادری

4- حاجی محمد رفیق برکاتی

(باقی آئندہ)

: علامہ عبدالرحمٰن خاں قادری بریلوی★

بین الاقوامی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا پاکستان کے سرپرست اعلیٰ، ممتاز ماہر تعلیم اور برصغیر کے عظیم مذہبی اسکالر و محقق حضرت پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود احمد صاحب نے اپریل ۲۰۰۱ء میں ہندوستان کے دورہ کے موقع پر بریلی شریف بھی حاضری دی تھی جس کی رپورٹ ہم شمارہ مئی و جون میں شائع کر چکے ہیں۔ آستانہ عالیہ قادریہ رضویہ بریلی شریف سے شائع ہونے والے ماہنامہ ''اعلیٰ حضرت'' نے اپنی جون کی اشاعت میں حضرت مسعود ملت کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے اس شمارہ کا اداریہ ''ورود مسعود'' کے نام سے شائع کیا ہے جو کہ ''معارف رضا'' کے قارئین کی نذر ہے۔ (ادارہ)

کیسے آقاؤں کا بندہ ہوں رضا
بول بالے مری سرکاروں کے

بندگان خدا میں کچھ ایسے مخصوص بندے بھی ہوتے ہیں جو اپنے ممتاز و مخصوص اور منفرد و مقبول کارناموں کے سبب اپنی مثال آپ ہوتے ہیں۔ ان کی زندگی ''قابل رشک'' اور ''وجہ افتخار'' ہوتی ہے۔ ان کی شخصیت ''سرمایۂ سعادت'' اور قابل تقلید ہوتی ہے۔ ان کے کارنامے ''مشعل راہ ہدایت'' اور ''منارۂ نور'' ہوتے ہیں۔ وہ حضرات جن راستوں سے گزر جاتے ہیں وہ راستے ان کی علمی و فکری خوشبوؤں سے مہک اٹھتے ہیں۔ ان کے علمی نقوش ان راستوں کے لئے ''طرۂ امتیاز'' اور ''وجہ افتخار'' بن جاتے ہیں۔ وہ محترم حضرات جس محلّہ، جس بستی، جس شہر میں داخل ہو جاتے ہیں وہاں کے ساکنین قدرتی طور پر ان کی طرف کھنچتے ہیں۔ ان کی محفلوں میں بیٹھنا، ان کا قرب حاصل کرنا، ان کی دلآویز گفتگو سننا، ان کے جلوؤں کی زیارت کرنا، اپنی خوش بختی، سعادت مندی، سرفرازی اور بلند اقبالی تصور کرتے ہیں۔

ایسے ہی بلند پایہ، بلند اقبال، عالی مقام، عالی کردار، قابل احترام، قابل عزت واکرام، صاحب فضیلت، صاحب علم و قلم، روشن خیال اور روشن ضمیر، حضرات میں سے ایک عظیم مصنف و محقق، مفکر و ادیب، ماہر رضویات، مسعود ملت، حضرت مولانا الحاج ڈاکٹر مسعود احمد صاحب قبلہ (پاکستان) کی ذات والا صفات بھی ہے۔ جنہوں نے اپنی لائق و فائق زندگی ''خدمت رضویات'' کے لئے وقف کر دی۔ جنہوں نے امام اہل سنت، مجدد دین و ملت، امام احمد رضا فاضل بریلوی علیہ الرحمۃ والرضوان کا تعارف، ان کی گراں قدر اور محققانہ تصانیف کی روشنی میں گوناگوں حیثیات سے ارباب فکر و نظر کی دنیا میں پیش کیا۔ وہ مسعود ملت، جنہوں نے اعلیٰ حضرت کو پڑھنا، اعلیٰ حضرت پر لکھنا اور اعلیٰ حضرت پر بولنا اپنی زندگی کا نصب العین بنا لیا ہے۔ جنہوں نے کراچی یونیورسٹی سے لیکر ازہر یونیورسٹی

★(مدیر، ماہنامہ اعلیٰ حضرت، بریلی شریف، انڈیا)

(مصر) تک اعلیٰ حضرت کی تعلیمات، اعلیٰ حضرت کے نظریات اعلیٰ حضرت کا مشن اور اعلیٰ حضرت کے مسلک کو عام کرنے کی سعیٔ بلیغ فرمائی۔

حضرت مسعود ملت نے عاشق رسول اعلیٰ حضرت بریلوی کا چرچا کیا تو ان پر خدا اور رسول جل جلالہ و ﷺ کا یہ انعام واکرام کہ (اعلیٰ حضرت کے طفیل) آج مسعود ملت کا تمام علمی ادبی اور تحقیقی حلقوں میں چرچا ہو رہا ہے۔ اعلیٰ حضرت کے عشاق مسعود ملت کو کبھی فراموش نہیں کر سکتے ہیں۔ آج جہاں اعلیٰ حضرت کے متبعین اعلیٰ حضرت کی خدمات کو اپنی عقیدتوں کا خراج پیش کرتے ہیں۔

ایں سعادت بزور بازو نیست
تانہ بخشد خدائے بخشندہ

وہی مسعود ملت! جنہوں نے تقریباً دو سو کتابیں بشمول مضامین و مقالہ جات تحریر فرمائیں۔ جنہوں نے اعلیٰ حضرت بریلوی پر کام کرنے کے لئے لوگوں کو نئے نئے راستے، نئے نئے مضوعات عطا کئے۔ جو مشرباً رضوی نہ ہونے کے باوجود رضویات پر علمی کام کرنا سنّیت کی ایک اہم خدمت اور اپنی ”عظیم سعادت“ تصور کرتے ہیں۔ جن کا خود نقشبندی ہوکر اعلیٰ حضرت بریلوی پر اپنی علمی و فکری صلاحیتوں کا صرف کرنا نیز اعلیٰ حضرت کو اپنا امام، اپنا رہنما، اپنا مقتدا ماننا اس بات کو واضح کرتا ہے کہ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا کسی ایک روحانی سلسلے کے شیخ کا نام نہیں بلکہ وہ تمام اہل سنت (قادری، نقشبندی، چشتی، سہروردی) کے متفقہ امام و مقتدا ہیں۔ اعلیٰ حضرت امام احمد رضا ”عقائد سنیہ“ کے امام کا نام ہے۔ لہٰذا جو بھی سنی صحیح العقیدہ ہے (خواہ وہ کسی بھی روحانی سلسلے سے وابستہ ہو) اعلیٰ حضرت اس کے امام ہیں۔

زہے نصیب! مسعود ملت اپنے مرکز عشق و عقیدت بریلی شریف تشریف فرما ہوئے۔ اہل علم و ادب نے انہیں مرحبا کہا۔ خراج تحسین پیش کیا۔ استقبالیہ دیا، ان کی آمد پر لوگوں نے خوشیوں کا اظہار کیا۔ ان کے دیدار سے اپنی آنکھوں کو نور اور دلوں کو سرور بخشا۔ مسعود ملت نے سفر و حضر میں اٹھتے بیٹھتے، چلتے پھرتے، محفل محفل، مجلس مجلس، لمحہ لمحہ، اعلیٰ حضرت کو سلام پیش کیا۔ بریلی شریف میں اعلیٰ حضرت کے دیوانے اس ”محب اعلیٰ حضرت“ کی ملاقات کا اشتیاق لے کر رضا مسجد و خانقاہ رضویہ کی جانب امڈ پڑے اور خوب خوب شراب دیدار سے چشم اشتیاق کو سیراب کیا نیز اپنے خلوص و محبت کا سلام و نذرانہ مسعود ملت کی بارگاہ محبت میں پیش کیا۔

گر قبول افتد زہے عزوشرف

۶/اپریل ۲۰۰۰ء کو آپ کاشی وشوناتھ ایکسپریس سے بریلی شریف تشریف لائے۔ بریلی جنکشن پر حضرت مولانا توصیف رضا خان صاحب، ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی، ڈاکٹر اعجاز انجم لطیفی مدرس جامعہ منظر اسلام، ڈاکٹر سرتاج احمد بریلوی، مولانا مظہر الحق حشمتی اور دیگر صاحبان نے آپ کا استقبال کیا۔ مسعود ملت نے اپنے سہ روزہ دورۂ بریلی میں ڈاکٹر سرتاج احمد صاحب ایڈوکیٹ کے مکان واقع محلہ بانسمنڈی میں قیام کیا۔

۷/اپریل ۲۰۰۰ء صبح تقریباً ۹ بجے حضرت ڈاکٹر مسعود صاحب قبلہ اپنے ہمراہی بہنوئی اور اپنے میزبان ڈاکٹر سرتاج احمد صاحب ایڈووکیٹ نیز بریلی شریف کی چند سربرآوردہ شخصیات کے ساتھ خانقاہ عالیہ رضویہ میں حاضر ہوئے اور اپنے ممدوح کی بارگاہ میں محبت و اخلاص کا سلام پیش کیا۔

منظر اسلام کے اساتذہ و طلباء شرف ملاقات کے بعد مسعود ملت کو صاحب سجادۂ آستانۂ رضویہ، حضرت مولانا الحاج

محمد سبحان رضا خان صاحب سبحانی میاں (مہتمم منظر اسلام) کے دولت کدے پر لے گئے۔ (حضرت صاحب سجادہ ابھی حج و زیارت سے واپس نہیں ہوئے تھے) ان کے صاحبزادگان، برادر نسبتی، اور پرسنل سکریٹری نے حضرت مسعود ملت اور تمام شرکاء کی شاندار ضیافت کی۔

۸/اپریل کی صبح سجادہ نشین حضرت مولانا الحاج محمد سبحان رضا خاں صاحب قبلہ کی طرف سے منظر اسلام کے اساتذہ و طلباء نے رضا مسجد واقع سوداگران بریلی شریف میں مسعود ملت کے اعزاز میں ایک عظیم "مجلس استقبالیہ" کا انعقاد کیا جس میں جملہ معلمین و متعلمین منظر اسلام کے علاوہ شہر کی بیشتر علمی، نامور اور معزز شخصیات نے شرکت کی۔ ڈاکٹر مسعود صاحب کی زیارت اور ان کا فکری بیان سننے کے لئے خاصی تعداد رضا مسجد میں جمع ہو گئی۔

تلاوت قرآن عظیم اور نعت رسول کریم ﷺ کے بعد رضا مسجد کے خطیب مولانا ظہور الاسلام نوری نے ایک تہنیتی نظم پیش کی۔

ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی نے رضویات کے حوالے سے مسعود ملت کا تعارف پیش کیا اور ان کے علمی، ادبی، تصنیفی، اور تحقیقی کارناموں پر مختصر مگر جامع روشنی ڈالی۔ راقم الحروف (عبدالرحمٰن خان قادری) نے بھی رضویات کے تعلق سے حضرت مسعود ملت کی "خدمات نمایاں" کو خراج تحسین پیش کیا۔

جامعہ منظر اسلام کے پرنسپل حضرت مولانا نعیم اللہ خان صاحب نے لفظ "مسعود" کو اپنی تقریر کا عنوان بنایا اور "مسعود ملت" کی مسعود شخصیت کو جماعت اہل سنت کے لئے "سعد" قرار دیا۔

تقریری پروگرام کے بعد جمع طلباء منظر اسلام کی جانب سے مولانا غلام انور (متعلم تخصص فی الفقہ) نے سپاسنامہ اور مولانا احتشام الدین (متعلم تخصص فی الفقہ) نے رقت انگیز اور وجد آفریں کلام پیش کیا بعدہ امام احمد رضا لائبریری کے بانی و مہتمم نبیرۂ اعلیٰ حضرت مولانا الحاج محمد تسلیم رضا خان صاحب نوری کی جانب سے مولانا مظہر الحق صاحب حشمتی نے سپاس نامہ پڑھا۔

آخر میں مسعود ملت نے حاضرین بالخصوص علماء کا شکریہ ادا کیا۔ رضویات پر تحقیق کے نئے نئے راستوں کی نشاندہی فرمائی۔ امام احمد رضا کو عالم اسلام کا "عظیم محسن" بتاتے ہوئے کہا کہ آج تک پوری دنیا میں کسی ایک شخصیت پر اتنی پی-ایچ-ڈی کی ڈگریاں حاصل نہیں کی گئی ہیں جتنی اعلیٰ حضرت کی ذات پر۔ مسعود ملت نے حضرت حجۃ الاسلام و حضور مفتی اعظم ہند رحمۃ اللہ علیہ کے کارناموں کو بھی خراج تحسین پیش کیا۔

صلوٰۃ و سلام اور شیخ الحدیث حضرت مولانا مجتبیٰ اشرف صاحب کی دعا پر "مجلس استقبالیہ" کا اختتام ہوا۔

نظامت کے فرائض نہایت حسن و خوبی کے ساتھ حضرت مولانا ڈاکٹر اعجاز انجم صاحب لطیفی نے انجام دیئے۔
آخر میں حاضرین نے آپ سے مصافحہ و معانقہ کیا۔ گذشتہ کل کی طرح آج پھر صاحب سجادہ حضرت مولانا سبحان رضا خان صاحب قبلہ کے دولت کدے پر مسعود ملت اور جمع مدرسین منظر اسلام کی عمدہ ضیافت کی گئی۔

کام وہ لے لیجئے تم کو جو راضی کرے
ٹھیک ہو نام رضا تم پہ کروڑوں درود

❋❋❋❋❋
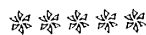
از: اقبال احمد اختر القادری

﴿قسط اول﴾

انڈیا کے شہر بریلی کے محلہ سوداگراں میں ایک مدرسے میں بچوں کو دینی تعلیم دی جارہی تھی --- بچے باری باری آتے جاتے اور استاد سے نیا سبق لے رہے تھے --- ان بچوں میں ایک بچہ جسے اس کی والدہ پیار سے ''امّن میاں'' کہتی تھیں جب سبق لینے آیا تو کسی لفظ کو استاد بار بار پڑھاتے مگر بچہ اس کے بجائے کچھ اور ہی پڑھتا --- اتنے میں بچے کے دادا جان جو کہ اپنے وقت کے بہت بڑے عالم اور استاد تھے، مدرسے میں تشریف لے آئے، انہوں جب دیکھا کہ استاد کے بار بار پڑھانے کے باوجود بچہ نہیں پڑھتا تو قریب آکر دیکھا کہ ایک لفظ پر استاد ''زبر'' پڑھاتے ہیں مگر بچہ ہے کہ ''زبر'' کی جگہ ''زیر'' ہی پڑھتا ہے، چنانچہ انہوں نے دوسرا قاعدہ منگوایا تو معلوم ہوا کہ کاتب نے غلطی سے ''زیر'' کی جگہ ''زبر'' لکھ دیا تھا --- انہوں نے فوراً غلطی درست کرکے ''زبر'' کی جگہ ''زیر'' تحریر کردیا، پھر بچے سے پوچھا کہ تم نے ''زیر'' کیوں پڑھا، استاد کا ادب کرنا چاہیے، استاد کی بات ماننی چاہیے، جب وہ ''زبر پڑھا رہے تھے تو تم نے ''زیر'' کیوں پڑھا --- ؟

دادا کی بات سن کر بچے نے کہا کہ میں تو استاد صاحب کا حکم مان کر ''زبر'' ہی پڑھنا چاہتا تھا مگر کیا کروں کہ زبان سے ''زیر'' ہی نکلتا تھا ---

بچے کی یہ بات سن کر دادا جان سمجھ گئے کہ یقیناً یہ ''امن میاں'' کوئی بڑے آدمی ضرور بنیں گے ---

اکثر مدرسے میں ایسا ہوتا کہ جب بچوں کو نیا سبق ملتا تو وہ کئی کئی بار استاد سے دریافت کرتے مگر ''امن میاں'' کا حال یہ تھا کہ جونہی استاد سے نیا سبق لیتے، اسی وقت یاد کرلیتے --- دوبارہ پوچھنے یا یاد کرنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی، اس بات پر استاد بھی حیرت کرتے تھے چنانچہ ایک دن استاد صاحب نے حیرانی کے عالم میں کہا کہ مجھے سبق دیتے دیر نہیں لگتی کہ تم یاد کرلیتے ہو، میاں تم انسان ہو یا جن --- !

ایک مرتبہ استاد صاحب مدرسے میں بچوں کو پڑھانے میں مصروف تھے کہ ایک بچہ آیا اور سلام عرض کرکے بیٹھ گیا --- استاد نے جواباً کہا ''جیتے رہو'' ---

استاد کا جواب سن کر وہی امّن میاں جنہیں استاد نے کہا تھا کہ تم انسان ہو یا جن، --- برجستہ بولے کہ استاد صاحب یہ تو سلام کا جواب نہ ہوا --- آپ کو بھی جواب میں

سلامتی بھیجتے ہوئے ''وعلیکم السلام'' کہنا چاہیے تھا---وہ امن میاں کے بروقت توجہ دلانے پر بہت خوش ہوئے اور شاباش کہہ کر دعائیں دینے لگے---

کیا آپ کو معلوم ہے کہ یہ چھ ''امن میاں'' کون تھے؟ یہ امن میاں کوئی عام چھ نہ تھے---انہیں تو قدرت نے عالم اسلام اور خاص کر ہندوستان کے سادہ لوح مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے پیدا فرمایا تھا---یہ وہی ''امن میاں'' ہیں جو آگے چل کر دنیائے اسلام کے ایک بہت بڑے عالم اور پیشوابن کر ابھرے---جنہیں برصغیر پاک و ہند اور عرب کے بڑے بڑے علماء نے اپنے زمانے کا ''مجدد'' کہا---

اُمن میاں عید کے مہینے شوال کی ۱۰/ تاریخ ۱۲۷۲ھ / ۱۴/ جون ۱۸۵۶ء کو ہندوستان کے شہر بریلی میں پیدا ہوئے---والد ماجد مولانا نقی علی خاں نے ''محمد'' نام رکھا اور دادا مولانا رضا علی خاں، جنہوں نے جنگ آزادی ۱۸۵۷ء میں مجاہدین کی ہر طرح مدد کی اور جو اپنے وقت کے بہت بڑے بزرگ اور عالم دین تھے، نے ''احمد رضا'' تجویز کیا جبکہ والدہ پیار میں ''اُمن میاں'' کہا کرتی تھیں---اُمن میاں کی ولادت کے ساتویں دن آپ کا عقیقہ ہوا، اسی دن آپ کے دادا جان نے ایک خواب دیکھا جس میں یہ بشارت دی گئی تھی کہ تمہارا یہ لڑکا ایک روز بہت بڑا عالم دین اور اپنے زمانے کا امام ہوگا چنانچہ بعد میں ایسا ہی ہوا---

اُمن میاں نے چار سال کی عمر میں قرآن پاک ختم کیا---چونکہ ان کا تعلق ایک علمی و دیندار گھرانے سے تھا لہذا بچپن ہی سے اطاعت اللہ اور محبت رسول ﷺ سے سرشار ہوتے چلے گئے---تقریباً چھ سال کی عمر میں ماہ ربیع الاول میں عید میلاد النبی ﷺ کے مبارک موقع پر ایک بہت بڑے جلسے سے خطاب کر کے سب کو حیران کر دیا---اُمن میاں نے ابتدائی کتب مولانا غلام قادر بیگ سے پڑھیں، دیگر علوم و فنون دوسرے اساتذہ کے علاوہ اپنے جلیل القدر والد ماجد مولانا نقی علی خاں سے گھر پر ہی حاصل کئے اور تقریباً ۱۴/ سال کی عمر میں دینی علوم مکمل طور پر حاصل کر کے ۱۲۸۶ھ / ۱۸۶۹ء میں سند فراغت حاصل کی اور دستار فضیلت سے سرفراز ہوئے---چونکہ مطالعہ کا بے حد شوق تھا لہذا ذاتی مطالعہ سے بہت سے علوم و فنون میں کمال اور مہارت حاصل کی---آپ دینی علوم کے علاوہ دور جدید اور قدیم زمانے کے علوم و فنون سے بھی اچھی طرح باخبر تھے---اُمن میاں کو تقریباً ستر، بہتر علم و فن میں مہارت حاصل تھی، جس پر ان کی تقریباً ہزار کے قریب کتب و رسائل گواہ ہیں جو انہوں نے اپنی ۶۵/ سالہ زندگی میں تحریر کی تھیں---

اُمن میاں نے سب سے پہلی کتاب ۱۲۸۵ھ / ۱۸۶۸ء میں تحریر کی جبکہ عمر صرف ۱۲/ سال تھی---اس ننھی سی عمر میں ''فن نحو'' کی کتاب ''ہدایۃ النحو'' کی عربی میں شرح لکھ کر سب کو حیران کر دیا---

(باقی آئندہ)

★★★★★